سیرت عباسؑ علمدار

سید مراد علی جعفری

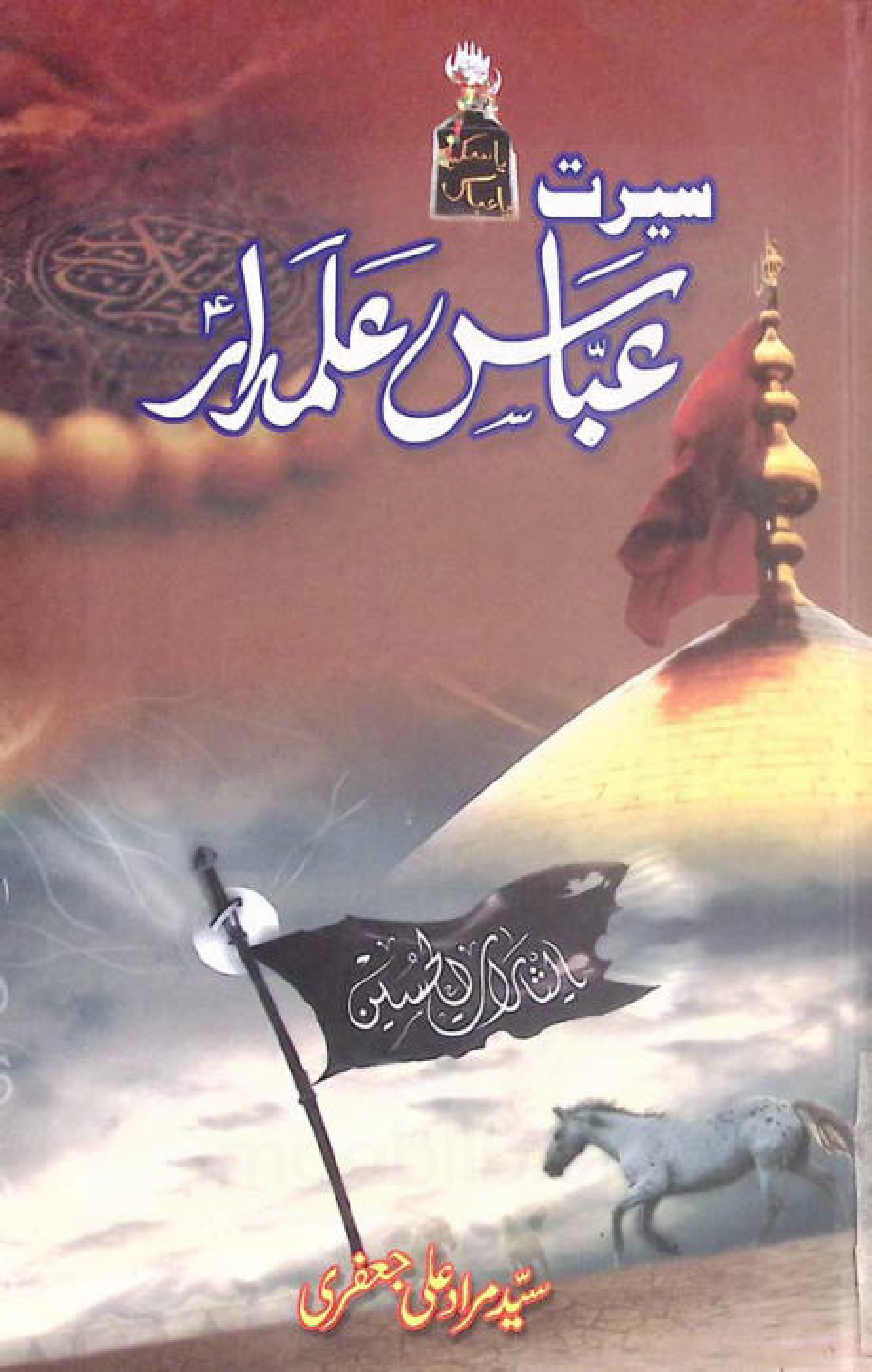

اے پروردگار!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ فَأَظْهِرِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَلِيَّكَ وَ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكَ الْمُسَمّٰى بِاسْمِ رَسُوْلِكَ حَتّٰى لَا يَظْفَرَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَّا مَزَّقَهُ وَ يُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُحَقِّقَهُ وَ اجْعَلْهُ اللّٰهُمَّ مَفْزَعًا لِمَظْلُوْمِ عِبَادِكَ وَ نَاصِرًا لِمَنْ لَا يَجِدُ لَهُ نَاصِرًا غَيْرَكَ وَ مُجَدِّدًا لِمَا عُطِّلَ مِنْ أَحْكَامِ كِتَابِكَ وَ مُشَيِّدًا لِمَا وَرَدَ مِنْ أَعْلَامِ دِيْنِكَ وَ سُنَنِ نَبِيِّكَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(ترجمہ) بر و بحر میں فساد رونما ہو گیا ہے اور خود لوگوں ہی کے ہاتھوں، اے معبود اپنے ولی (صاحب العصرؑ) کو جو تیرے نبی کا نواسہ ہے اور تیرے رسولؐ ہی کا ہم نام ہے ظاہر فرما دے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پردہ چاک نہ کر دے اور حق کو ثابت کر کے رہے۔ اے پروردگار! اس کو اپنے مظلوم بندوں کا پشت پناہ اور جس بے کس تیرے سوا کوئی نہ ہو اس کا مددگار بنا کر اسے جلد لا کہ تیری کتاب کے جو احکام معطل ہو رہے ہیں انہیں وہ پھر سے جاری و ساری کر دے اور تیرے دین کی نشانیوں اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو مستحکم کر دے۔

انتظار ظهور امر الله
حاصل لا اله إلّا الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ، صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَ عَلَى اٰبَائِهٖ، فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ، وَفِي كُلِّ سَاعَةٍ، وَلِيًّا وَّ حَافِظًا، وَ قَآئِدًا وَّ نَاصِرًا، وَ دَلِيْلًا وَّ عَيْنًا، حَتّٰى تُسْكِنَهٗ اَرْضَكَ طَوْعًا، وَ تُمَتِّعَهٗ فِيْهَا طَوِيْلًا.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے اللہ! تو اپنے ولی حضرت حجت بن الحسنؑ کے لئے سرپرست ومحافظ وسردار وناصر ورہنما اور نگہبان ہوجا.......... سلام ہو ان پر اور ان کے آباء کرام پر اس وقت بلکہ ہر وقت تاکہ وہ تیری زمین پر خوشی کے ساتھ سکونت پذیر ہوں اور تیری زمین پر طویل مدت تک حکومت کریں۔

(ترجمہ بالمعنی)
....

خدا ان کے ظہور میں تعجیل فرمائے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

سیرت عباس علمدارؑ

مؤلف

سید مراد علی جعفری

ناشر

معراج کمپنی لاہور

We Publish Your Needs

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

042-37361214-03214971214

www.facebook.com/merajcompanypakistan

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... سیرت عباس علمدارؑ

مؤلف .... سید مراد علی جعفری

کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس فیز ۴

ناشر .... معراج کمپنی لاہور

ہدیہ ....

ملنے کا پتا

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

maablib.org

انتساب

ان ہستیوں کے نام

جنہوں نے حق کی معرفت حاصل کی

اور پھر اپنی جان

جانِ آفرین کے حوالے کردی۔

maablib.org

عرض ناشر

جناب سید مراد علی صاحب کی یہ کاوش حضرت عباس علیہ السلام کی زندگی پر محیط یہ مختصر کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی زندگی کے ہر شعبہ کو کچھ نہ کچھ ذکر کر دیا جائے۔ جناب سید مراد علی صاحب ان دنوں کافی علیل ہیں اور عمر کے اس حصہ میں ہیں کہ جب انسان کے لئے کوئی سخت کام کرنا محال ہو جایا کرتا ہے۔ ہفتے میں تین دن ان کا ڈائیلاسس ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں ہو۔ قارئین کرام سے ان کی صحت کے لئے دعا کی اپیل ہے۔

ادارہ

فہرست کتاب

حرف آغاز! 17

حضرت عباس علیہ السلام کا خطبہ 27

بطل جلیل القدر........علمدار لشکر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام 30

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا نصب نامہ مبارک: 34

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا مختصر ذکر جمیل! 35

دعا اور مراد! 35

عظیم خواہش: 35

جناب عقیل کی سعی حاصل! 36

ایک ضروری وضاحت! 38

عباس کے معنی! 39

حضرت عباسؑ کی تاریخ ولادت کا مطالعہ تحقیق کی روشنی میں 41

حضرت عباسؑ کی پیدائش کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی تمنا 43

حضرت عباسؑ کی ماں کا نام اور نسب نامہ: 44

حضرت عباسؑ کی ماں کی کنیت: 44

حضرت عباس علیہ السلام کی پیدائش کا راز 44

حضرت عباس علیہ السلام کی کنیت مبارک 47

حضرت عباس علیہ السلام کی پرورش 48

ذہن عباسؑ میں معرفت باری تعالیٰ کی عاقلانہ لہر 49
عالم طفولیت میں حضرت عباس علیہ السلام کا ایک نمونہ 51
رزم گاہ صفین میں حضرت عباس کا وجود 51
حضرت عباس علیہ السلام کی شادی اور تعداد اولاد کا انکشاف 54
حضرت عباس علیہ السلام کا مواعظ کا ایک گوشہ 55
حضرت عباسؑ کے متعلق صادق آل محمد علیہ السلام کا بصیرت افروز ارشاد 57
حضرت عباس علیہ السلام کی ایک زبردست فضیلت 58
حضرت عباس علیہ السلام کا حضرت جعفر کے ہم شکل قرار دیے جانے کا راز 60
حضرت عباسؑ کے چند اہم خصوصیات 61
آپ کی پہلی خصوصیت: 62
آپ کی دوسری خصوصیت: 63
آپ کی تیسری خصوصیت: 63
علم بردار فوج کو کیسا ہونا چاہیے 64
علم برداری کی ابتدا کا مطالعہ تاریخ کی روشنی میں 65
عہدہ علمبرداری کے جلالت شان کی ایک عظیم الشان نظیر 69
آپ کی چوتھی خصوصیت: 70
آپ کی پانچویں خصوصیت: 71
آپ کی چھٹی خصوصیت: 72
شہدا کی اجمالی فضیلت: 73
علم بردار فوج حسینی کی جاں بازی کے کٹھن مواقع 74

سرزمین کربلا پر حسینی وفاداروں کا ورود 77
حسینی پیاسوں پر آب فرات کی بندش 80
حضرت عباس علیہ السلام کا کنواں کھودنا 82
حضرت عباس علیہ السلام کی پہلی سقائی 83
حضرت عباسؑ پر فرزند رسولؑ کے اعتماد کی ایک مثال 85
محرم کی نویں کو حضرت عباس علیہ السلام نے کنواں کھودا 85
حضرت عباسؑ کے کنواں کھودنے کی خبر ابن زیاد تک پہونچنا 86
حضرت عباسؑ کے لیے امن نامہ کی حصولی 87
حضرت عباسؑ کے سامنے عرفان کا امان نامہ پیش کرنا اور اس کا نتیجہ 89
شمر کے پیغام امن پر حضرت عباسؑ کا دلیرانہ انکار 90
حضرت عباسؑ کو امام حسینؑ کی تعلیم: 92
حضرت عباسؑ اور شمر ملعون میں باہم قرابتداری کا انکشاف 95
لشکر عمر سعد کا آنا اور امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ کو بھیجنا 97
حضرت عباسؑ کے ذریعہ سے اک شب کی مہلت طلبی: 99
عاشور کی رات جانبازی عباسؑ کا اک عظیم الشان مظاہرہ 100
اصحاب حسینؑ کی شب باشی: 103
حضرت عباس علیہ السلام کی تاریخ شہادت میں اختلاف اور اس کی تحقیق 104
طلوع صبح محشر تھی طلوع صبح عاشور 106
حضرت حر کی آمد اور ان کا شاندار استقبال 108
لشکر حسینی کی صف آرائی اور علم بردار کا انتخاب 108

کربلا میں حضرت عباسؑ کے شہید بھائیوں کی تعداد 113
حضرت عباسؑ کا اپنے بھائیوں کو شہادت پر آمادہ کرنا 113
حضرت عباسؑ کا بھائیوں سے باپ کی وصیت بیان کرنا: 115
حضرت عباس علیہ السلام کے بھائی عبداللہ کا تذکرہ 116
آپ کی عمر شریف: 116
آپ کا میدان میں جانا: 117
عبداللہ کا رجز: 117
عبداللہ کا قاتل: 118
حضرت عباسؑ کے دوسرے بھائی عثمان کا ذکر 119
آپ کی عمر شریف: 119
آپ کی وجہ تسمیہ: 119
آپ کی رجز خوانی: 120
آپ کا قاتل: 121
حضرت عباسؑ کے تیسرے بھائی جعفر کا تذکرہ 121
آپ کا سن مبارک: 121
آپ کی وجہ تسمیہ: 122
آپ کا میدان میں جانا: 122
آپ کی رجز خوانی: 123
آپ کا قاتل: 123
حضرت عباس علیہ السلام کے بھائیوں کی قبریں 124

حضرت عباسؑ کا اپنے بھائیوں کو شہادت میں مقدم کرنے کا اصلی راز 124
علامہ طبری کی رو: 126
حضرت عباسؑ کی کارگذاری اور طلب اذن جہاد 127
طلب اذن جہاد عباسؑ پر حضرت امام حسینؑ کی فہمائش 128
سمجھانے کا ایک پہلو: 128
سمجھانے کا دوسرا پہلو: 130
جنگ گاہ میں جانے کے لیے حضرت عباسؑ کا اصرار 131
حضرت عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہیں ملی 132
طلب آب کا بہانہ: 132
حضرت عباسؑ کی زبانی امام حسینؑ کی پیغام رسانی: 133
حضرت عباسؑ کے حلم کی ایک نظیر: 134
جواب سننے کے بعد حسینؑ کا اضطراب: 135
پانی کے متعلق حضرت عباسؑ کی دعا 135
آلات حرب سے حضرت عباس علیہ السلام کی آراستگی اور اوس کی تحقیق 136
حضرت عباسؑ کے رخصت نہ ہونے کا راز اور ایک دلخراش واقعہ 138
نہر فرات کی طرف حضرت عباسؑ کی روانگی اور رجز خوانی 140
حضرت عباسؑ کا محاصرہ کا حکم: 141
حضرت عباس علیہ السلام کی مارد سے نبرد آزمائی اور اس کا نتیجہ 144
حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق مارد کے اشعار: 147
طاویہ پر حضرت عباس کی سواری: 150

حضرت عباسؑ کی غلامی کا اقرار: 151

شمر کی زبانی طاویہ کی ہسٹری: 152

حضرت عباس علیہ السلام کی رخصت آخری........................ 153

حضرت عباس علیہ السلام کا نہر فرات میں اترنا........................ 155

دل عباس میں محبت حسین علیہ السلام کی لہر: 155

پانی پہونچانے کے متعلق حضرت عباسؑ کی دوسری دعا........................ 158

خیمہ تک پانی پہونچانے میں حضرت عباسؑ کی جدوجہد 159

حضرت عباسؑ کے بدن پر تیروں کی کثرت: 160

داہنے ہاتھ کٹنے پر حضرت عباسؑ کی رجز خوانی 162

حضرت عباسؑ کے بائیں ہاتھ کٹنے کا واقعہ اور نفس سے مخاطب........................ 163

ہاتھوں کے قلم ہونے پر حضرت عباسؑ کی فریاد........................ 165

حضرت عباسؑ نے دونوں ہاتھوں کے کٹنے پر مشک وعلم کیا کیا........................ 165

پانی پہونچانے کے متعلق حضرت عباسؑ کی تیسری دعا 166

حضرت عباس علیہ السلام کی دلی حسرت دل ہی میں رہ گئی 166

مشک پر تیر لگنا: 167

پانی کے بہنے پر حضرت عباسؑ کا اضطراب: 168

حضرت عباسؑ کی شہادت کے دل خراش حالات 168

حضرت عباسؑ کے سینہ پر تیر ستم کی پہونچی: 169

سر اطہر پر گرز آہنی کا وار: 169

حضرت عباسؑ کا آخری سلام: 170

بھائی کے غم میں بھائی کی کمر کا ٹوٹنا: 171
حضرت عباسؑ کی آواز پر امام حسینؑ کی بے تابانہ رہروی اور حضرت عباسؑ کے ہاتھوں کا ملنا . 172
حضرت عباسؑ کی لاش پر امام حسینؑ کا پہونچنا: 174
حضرت عباسؑ کی وصیت کے دردآگیں کلمات 175
پھر حضرت عباسؑ کے اٹھانے کو جھکے 176
وقت شہادت حضرت عباس علیہ السلام کا سن مبارک 177
حضرت امام حسینؑ سے حضرت عباسؑ کے متعلق جناب سکینہ کا سوال 178
حضرت عباسؑ کی شہادت پر اہل حرم کے فلک شگاف نالے 179
حضرت عباسؑ کی نعش خیمہ میں نہ لے جانے کے اسباب 180
بعد شہادت حضرت عباسؑ کی کنیت ابوقربہ قرار پائی 181
فضل بن عباس علیہم السلام کی شہادت کے حالات 182
حضرت عباسؑ کی شہادت حسینؑ کے صدمہ کی نوعیت 184
حضرت عباسؑ پر رونے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم 186
حضرت جعفر اور حضرت عباسؑ کی شہادت میں عدم مماثلت کے بعض روشن پہلو 187
حضرت عباس علیہ السلام کے غم میں حسینی مراثی 188
حضرت عباس علیہ السلام کا مدفن 192
حضرت عباس کا سر اقدس گھوڑے کی گردن میں 194
سر لٹکانے والے کی کیفیت: 195
حضرت عباسؑ کے بھانجے کی شہادت بنی ہاشم کا پہلا شہید 196
کیا حضرت عباسؑ آخری شہید آل ابی طالبؑ ہیں 198

حضرت عباسؑ کی شہادت پر جناب ام البنین کا اضطراب 198
حضرت عباسؑ کے متعلق جناب ام البنین کا مرثیہ 200
مرثیہ ثانیہ 201
حضرت عباسؑ کے متعلق ان کے پوتے کا مرثیہ 202
جناب ام البنین کربلا کیوں نہ آئیں 203
عرصۂ محشر میں حضرت عباسؑ کے ہاتھوں کا مظاہرہ 204
عبید اللہ بن عباس کو دیکھ کر امام زین العابدین کا رو دینا 205
حضرت عباسؑ کی زیارت کے متعلق ایک واقعہ 206
جس کی شہادت پر حسینؑ رو پڑے وہی مستحق گریہ و بکا ہے 207

maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز!

واقعہ کربلا کے متعلق جو وسوسے اور خدشات مجہول عقول پیدا کر دیتی ہیں اور امتدادِ زمانہ کے ناموافق عوامل عہد حاضر میں حقیقت کو مجاز، اصل کو نقل اور فلسفہ کو سفسطہ سے ممتاز کرنا جہادِ اکبر بنا دیتا ہے۔

بصارت کی درماندگی اور بصیرت کی پس ماندگی نے حق و باطل کے درمیان تفریق کو مشکل سے مشکل تر بنا دیا ہے۔ زمانہ فتن کی زنجیر ساز قوتیں خدا کے بندہ آزاد کو گرفتار اوہام کرنے کے لیے مسلسل مصروف عمل ہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات نے انسان کی ذہنی صلاحیت پر ایسے پہرے بٹھا دیئے ہیں اور اس کی فکری و فطری استقامت پر ایسی بندشیں عائد کر دی ہیں جن کا توڑنا عزم مستحکم اور توفیق خاص کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

عہد حاضر اس کا متقاضی ہے کہ واقعہ کربلا کے اسباب و عمل پر سیر حاصل گفتگو کی جائے۔ ہمارے ذہن میں اوراق تاریخ صف بستہ موجود ہیں۔ ارادہ یہ تھا کہ واقعہ کربلا کا مقدمہ احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ اس سلسلہ میں علامہ شہنشاہ نقوی مدظلہ العالی سے معروضات پیش خدمت کی گئیں۔ لیکن سب سے بڑا مرحلہ یہ سامنے آتا ہے کہ برادران اہل سنت سچ سننے کو تیار نہیں اور ایسی تحریر سے خوف فساد خلق یقینی ہے۔ جب کہ دور حاضر میں اتحاد بین المسلمین کی ضرورت اتنی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ لہٰذا اس تحریر کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اگر حیات مستعار نے اجازت دی تو انشاءاللہ مستقبل میں "کربلا کا مقصد" حاضر خدمت کر دیا جائے گا۔

ہمیں حکم ملا ہے کہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا مختصر ذکر جمیل کیا جائے گا۔

لہٰذا اس حکم کے تحت تحریر سپرد قلم کی جا رہی ہے۔

بطل جلیل القدر علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کی معجزاتی شخصیت شرافت طہارت، بصیرت کرامت، عبادت، ریاضت، جلالت، ہیبت، شجاعت، وفاداری، جاںنثاری، بلند کرداری، حاجت برآوری، کریم النفسی اور سیر چشمی کے متعلق ماضی وحال کے اہل قلم اور دانشور حضرات نے لاتعداد تحقیقی مضامین ومقالے اور کتب تحریر کیئے ہیں اور یہ تمام تر قلمی سرمایہ کتابوں میں محفوظ ہے جو صدیوں پر محیط ہے۔

باب الحوائج کی عظمت ورفعت کا تعین اس روایت سے ہوتا ہے کہ حشر کے دن جب اہل محشر سخت پریشانی کے عالم اور اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہوں گے اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ ایسے وقت میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ارشاد فرمائیں گے کہ میری پارۂ جگر سے دریافت کرو کہ آج کے لئے تم نے کون سی ایسی چیز مہیا کر رکھی ہے جو امت مسلمہ کی بخشش کا وسیلہ بن سکے اس وقت حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا جواب میں ارشاد فرمائیں گی کہ اے ابوالحسن! میرے پدر بزرگوار سے کہ دیجیے کہ آج کے دن کے لیے میرے پاس میرے فرزند عباسؑ کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں۔ [1]

مذکورہ مستند روایت سے دو امور کا انکشاف ہوا۔ اول یہ کہ حضرت عباس علیہ السلام جو روز عاشورہ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کی اور دین اسلام کی حمایت میں شہید ہوئے۔ بروز محشر امت مسلمہ کی بخشش کا وسیلہ بنیں گے۔ دوئم یہ کہ معصومہ کونین حضرت فاطمہ زہرا نے آپ کو اپنا فرزند قرار دیا ہے۔

یقیناً یہ دونوں صفات حضرت عباسؑ کی روحانیت، عظمت اور رفعت کے لئے دلیل

[1] اسرار الشہادۃ صفحہ ۳۲۵، جواہر الایقان صفحہ ۱۹۴، قمر بنی ہاشم صفحہ ۵۹۔

محکم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپؑ کی فرزندی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدسی صفات اکلوتی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو کتنی عزیز تھی؟ اس کا اندازہ علامہ دربندیؒ کی اس روایت سے ہوتا ہے جسے موصوف نے اپنی کتاب ''اسرار الشہادۃ'' میں نقل کیا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ!

''ایک شخص کا اصول تھا کہ وہ روزانہ دن میں تین مرتبہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا جبکہ حضرت عباس علیہ السلام کے روضۂ مبارک پر بیسویں دن زیارت کی غرض سے حاضری دیتا تھا ایک شب اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تشریف فرما ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر نہایت ادب واحترام سے سلام کیا مگر آپ معصومہؑ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے عرض خدمت کیا کہ آپ دختر رسولؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا، شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں، آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں تجھ سے ناراض ہوں اور میری ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ تو میرے فرزند کی زیارت میں تاخیر سے کام لیتا ہے اس شخص نے عرض خدمت کیا کہ میں تو دن میں تین مرتبہ آپ کے فرزند حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو میرے ایک بیٹے کی زیارت روز کرتا ہے لیکن دوسرے فرزند کی زیارت کو بیسویں دن جاتا ہے تیرا یہ عمل مجھے ناپسند ہے اسلئے کہ عباسؑ بھی میرا فرزند ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔ [1]

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کے علاوہ جناب ام البنین کے بطن مبارک سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے تین بیٹے اور بھی متولد ہوئے جو عبداللہ عثمان اور جعفر کے نام سے موسوم تھے اور یہ سب کے سب کربلا کی جنگ میں حضرت عباسؑ سے پہلے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ان سب نے حسینؑ کی نصرت کی اور دین اسلام کی حمایت میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

[1] اسرار الشہادہ صفحہ ۳۲۵

لیکن کیا وجہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے صرف حضرت عباسؑ ہی کو اپنا فرزند قرار دیا؟

کیا معصومہ کونین سلام اللہ علیہا جو مرکز پرکار وجود ہیں اور جو بلندی عظمت کی آخری منزل میں جلوہ گر نظر آتی ہیں جن کی تعظیم و تکریم کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر اپنی مسند پر جگہ عنایت فرماتے تھے کیا معصومہ کونین سلام اللہ علیہا کسی غیر معصوم کو اپنا فرزند قرار دے سکتی ہیں؟

اگر نہیں تو پھر کیا حضرت عباس علیہ السلام بھی معصوم تھے؟

اس اہم سوال کے جواب کے لیے یہ امر ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم حضرت عباسؑ کے عصمتی کردار کا جائزہ لیں اس ضمن میں کسی گفتگو سے پہلے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ!

''عصمت'' کے لغوی معنی ''معصیت'' سے دامن کش اور ''خطا'' سے اجتناب کے ہیں اور معصوم وہ ہوتا ہے جو تمام خطاؤں سے باز رکھا گیا ہو۔ [1]

اصطلاحی معنوں میں عصمت وہ مخفی جوہر الہیہ ہے جو پروردگار عالم اپنے ان خاص بندوں کو ودیعت کرتا ہے جن میں خطا و معصیت کے امکانات کے باوجود اجتناب کی کامل اور حتمی صلاحیت موجود ہو۔

شرح باب حادی عشر صفحہ ۳۱ مطبوعہ نوالکشور لغات کشوری کے بائیسویں ایڈیشن مطبع منشی تیج کمار اور پرائیویٹ لمیٹڈ) وازت نولکیشوری پریس لکھنؤ، میں عصمت کے معنی ''گناہ سے اپنے کو باز رکھنا، اس طرح کی تمام عمر میں کبھی کوئی گناہ کبیرہ نہ کیا ہو'' تحریر ہے۔ [2]

[1] مجمع البحرین طبع ایران

[2] لغات کشوری صفحہ ۲۶۳

علامہ مجلسی قلم طراز ہیں کہ!

''معلوم ہونا چاہیے کہ معصوم ترک گناہ پر مجبور نہیں لیکن خداوند عالم اس پر ایسا لطف مخفی کرتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ترک معصیت کو لازم جاننے لگتا ہے۔ یا قوت عقل، ذکاوت اور صفائی باطن اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے محبت خداوندی کا مالک بن کر ایسے درجۂ کمال پر پہنچ جاتا ہے جہاں شہوات نفسانی اور خیالات شیطانی اس کے پاس نہیں آتے اور جمال ایزدی اور جلال عصمت الٰہی اس کے دل پر جلوہ فگن ہوجاتے ہیں لہٰذا وہ اپنے پروردگار کا منظور نظر تصور کرتے ہوئے معصیت سے پرہیز واجتناب کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں رہتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس کے دل میں کسی وقت معصیت کا خیال آجاتا ہے تو وہ جلال الٰہی کے خوف کی وجہ سے باز رہتا ہے۔[1]

ابطال الباطل میں عصمت کو ملکہ کہا گیا ہے یعنی ایسا ملکہ جس کے ذریعہ انسان گناہان کبیرہ سے بچتا ہے''کلیات ابوالبقا'' برادران اہل سنت کی مشہور کتاب) میں درج ہے کہ امام منصور کے مذہب کے اعتبار سے عصمت نام ہے معصیت کی قدرت نہ ہونے کا اور ایسی انسان کو باز رکھے اور اسی کے ساتھ ساتھ مجبور بھی نہ ہو اور پھر اسی کے ساتھ اختیار بھی نہ رہے اس قول کا مطلب پرایہ میں مرقوم ہے کہ عصمت وہ صفت ہے جو اطاعت گزاری پر مجبور نہ کرے اور نہ معصیت کرنے سے عاجز بنائے بلکہ ایسا لطف ہے جو اختیار کے باوجود انسان کو امور خیر پر ابھارنا اور برے افعال سے اجتناب کرنا ہے۔

معلوم ہوا کہ عصمت اس صفت کا نام ہے جو خدا کے خاص بندوں کو ودیعت ہوتی ہے جن میں انبیاءؑ و اوصیاءؑ وغیرہ داخل ہیں مگر ان کے نفوس ان کے قابو میں ہوتے ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام معصوم تھے یا نہیں؟

[1] حق الیقین

اس ذیل میں علامہ دربندی کا کہنا ہے کہ زیارات کے بعض فقروں سے جو آئمہ معصومین علیہم السلام سے مروی و ماثور ہیں مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت معصوم بھی تھے اور علم لدنی کے مالک بھی تھے۔ [1]

آپ فرماتے ہیں کہ!

"اس عصمت سے وہ عصمت مراد نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اہل بیت علیہم السلام کی تھی۔ بلکہ اس عصمت سے وہ قوت مراد ہے جو گناہوں سے روکے۔ اس قوت کے مالک سے خطا، نسیان، ترک اولیٰ اور مکروہات کا صادر ہونا ممکن ہے لیکن محرمات کا صادر ہونا، چاہے وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو ناممکن ہے اب معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم کی قوت کا مالک۔

۱۔ حضرت عباس علیہ السلام ۲۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام

۳۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا ۴۔ جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا

میں ہونا نہ کوئی نقصان رکھتا ہے اور نہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ [2]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لفظ "عصمت" کو لفظ "محفوظ" سے تعبیر کیا ہے۔ [3]

اور شرعی اصطلاح میں "محفوظ" وہ لوگ ہیں جن سے امکانات کے باوجود گناہ یا خطا صادر نہ ہو۔ [4]

اسی "عصمت" پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ عبدالاحد اور علامہ عبدالرزاق نے

[1] اسرار الشہادت صفحہ ۳۷۰

[2] اسرار الشہادت صفحہ ۳۷۰

[3] تحفہ اثنا عشری صفحہ ۴۳۵

[4] دراسات اللبیب صفحہ ۲۰۰

تحریر فرمایا ہے کہ!

''اس عصمت سے مراد گناہ کی آلودگی سے اپنے نفس کو بچانا ہے یعنی معصوم وہ ہے جو اپنے سے گناہ سرزد نہ ہونے دے اور خود کو محفوظ رکھے۔ [1]

معلوم ہوا کہ معصومیت کا یہی وہ ''جوہر محفوظ تھا جس نے حضرت عباسؑ کی حیات مبارکہ کو آخری سانس تک تمام گناہان کبیرہ وصغیرہ، خطاونسیان اور محرمات سے محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کے دامن حیات پر ترک اولیٰ کا بھی ایک دھبہ نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ اس جوہر ''محفوظ'' کے تحت معصومہ کونین سلام اللہ علیہا نے آپ کو اپنا فرزند قرار دیا۔

اس صفت عصمت کے علاوہ ہم جب حضرت عباس علیہ السلام کے آئین زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بھی علوی آئین زندگی کے مساوی نظر آتا ہے اگر حضرت علی علیہ السلام پیغمبرؐ اسلام کے معین و مددگار تھے تو یہ جناب بھی فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے معین و مددگار تھے اگر امیر المومنین علیہ السلام رات کی تاریکی میں فقراء کی حاجت روائی کرتے تھے اور اپنی پشت مبارک پر لاد کر انہیں غزا فراہم کرتے تھے تو یہ جناب بھی امام حسین علیہ السلام کے دوش بہ دوش فقراء ومساکین کی حاجتیں پوری کیا کرتے تھے جس طرح مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام پاک الحاجات ہیں اسی طریق سے حضرت علیہ السلام بھی باب الحوائج ہیں اگر رسول اللہؐ تک رسائی کے لیے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا وسیلہ ضروری ہے تو فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے حضرت عباس علیہ السلام کا وسیلہ بھی ضروری ہے۔

اس اجمالی تجزیہ کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے کہ حضرت عباس علیہ السلام کی ذات اقدس بھی حضرت علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کی

---

[1] شرح نہج ورقہ صفحہ ۲۰، مطبع نول کشور ۱۸۶۸ء

طرح معجز نما تھی اس لیے آپ کے روضۂ مبارک سے مسلسل معجزات کا ظاہر ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکتا۔

سرکار باب الحوائج علیہ السلام کی عظمت و منزلت اور جلالت کا تقاضا ہے کہ جس طرح ارباب عصمت و طہارت کی قبر کا بوسہ لیا جاتا ہے اسی طرح آپ کے مرقد اطہر کا بھی بوسہ لیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ صادق آل محمدؑ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کی قبر کو چومنے کا حوالہ آپ کی زیارت کے ذیل میں دیا ہے امام معصومؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ!

''حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت سے فراغت کے بعد زائر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حضرت عباسؑ کے روضہ پر جائے اور اپنے کو مرقد مقدس پر گرا دے اور اسے بوسہ دے پھر عرض کرے کہ اے دین خدا کے مددگار! اے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اے علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند، آپ پر میرا سلام ہو، اے حسینؑ مظلومؑ کے مددگار! آپ پر میرا سلام سلام ہو، اے عباسؑ ابن علیؑ آپ پر میری طرف سے سلام اس وقت تک پہنچتا رہے جب تک میرے جسم میں سانس کا وجود ہے۔[1]

علامہ شیخ مفیدؒ، ابن طاؤس، اور ابن مشہدی نے بھی حضرت عباسؑ کا ذکر جمیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روضہ اقدس کے حرم میں داخل ہونے سے قبل دعائے اذن پڑھے اور قبر مطہر پر اپنے کو گرا دے پھر کہے ''السلام علیک ایہا العبد الصالح'' یعنی زیارت پڑھے۔

واضح ہوا کہ حضرت عباسؑ کی زیارت دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زیارت کا درجہ رکھتی ہے اور زیارت خاصان خدا کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ!

[1] مزار ابی، صفحہ ۱۸۰

"اے علیؑ! اللہ نے اپنے نیک بندوں کے دلوں میں تم لوگوں کی محبت اس طرح بھر دی ہے کہ وہ تمہاری طرف کھینچے ہیں اور تمہارے لیے ہر قسم کی ذلت وخواری برداشت کرتے ہیں اور جب دل بھر آتا ہے تو تمہاری قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بار بار زیارت کریں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو۔ اے علیؑ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے میری شفاعت مخصوص ہوگی۔ یہ حوض کوثر پر پہونچیں گے اور جنت میں میری زیارت سے مشرف ہوں گے، اے علیؑ! جو شخص تمہاری قبروں کی تعمیر میں حصہ لے وہ بالکل ایسا ہے جیسے اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد کی۔ [1]

یہ حدیث پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب ذیل امور کی وضاحت کرتی ہے!

نمبر ۱۔ یہ کہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور ان کی آلؑ سے محبت رکھنے والے اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں۔

نمبر ۲۔ یہ کہ افراد خانوادہ مرتضویؑ کے روضوں اور قبروں کی زیارت سے اللہ رب العزت کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نمبر ۳۔ روز حشر زائرین کے لیے سرور کائناتؐ کی زیارت مخصوص ہوگی۔

نمبر ۴۔ یہ کہ زائرین حوض کوثر پر پہنچیں گے اور جنت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے شرف سے مشرف ہوں گے۔

نمبر ۵۔ یہ کہ جو شخص روضوں کی تعمیر میں حصہ لیتا ہے وہ بالکل اسی طرح ہے جیسے اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا معاون ومددگار رہا۔

اب امر بالکل واضح ہے کہ جب حضرت عباسؑ کی زیارت دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام

[1] قمر بنی ہاشم صفحہ ۱۲۴ بحوالہ فرحۃ الغزیٰ ابن طاؤس

کی زیارت کا درجہ رکھتی ہے تو آپ کا درجہ بھی دیگر آئمہ طاہرین کے روضوں کے مساوی قرار پایا۔ لہذا اس حدیث پیغمبر اسلام کی روشنی میں حضرت عباس علیہ السلام کو آئمہ اطہار علیہم السلام سے الگ نہیں کیا جاسکتا جو اجر وثواب دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کے روضوں کی زیارت سے حاصل ہوتا ہے وہی اجر وثواب حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت میں ہے۔

ہمارے لیے یہ انتہائی فخر کی بات ہے کہ شہر کراچی کی سرزمین پر بھی باب الحوائج حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ موجود ہے جو ہماری مخدومہ محترمہ خوش لقا صاحبہ کی محبت و کدوکاوش کا نتیجہ ہے فیڈرل بی ایریا کے بلاک نمبر ۱۳ گلبرگ میں واقع ہے جس پر ایک خطیر رقم خرچ کی گئی ہے (یہ بات بھی آپ کے علم میں ہونی چاہئے اس زری کے لئے کسی قسم کا کوئی چندہ نہیں لیا گیا یہ زری خاتون معظمہ نے خود یا ان کے چند احباب نے بنائی ہے) اور درگاہ دیکھنے اور زیارت کرنے سے تعلق رکھتی ہے اس درگاہ پر روزانہ مومنین و مومنات ایک کثیر تعداد میں زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام کی اس درگاہ کو اگر معجزات کا گہوارہ کہا جائے تو ہمارے خیال میں غلط نہ ہوگا، محترمہ خوش لقا صاحبہ قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس درگاہ اقدس کی تعمیر و تزئین کے ساتھ ساتھ اس کتاب کو وجود میں لانے کا ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے ہمیں یقین واثق ہے کہ اس کا اجر وثواب موصوفہ کو اس معصومہ کونین کی بارگاہ سے ملے گا جس کے پاس محشر میں امت اسلامیہ کی بخشش کے لیے حضرت علیہ السلام کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ محفوظ ہیں۔

اس کتاب میں حضرت عباس کا اجمالی تعارف پیش خدمت کیا گیا ہے۔

امید ہے یہ کتاب مقبول خاص وعام ہوگی!

حضرت عباس علیہ السلام کا خطبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی شرف ھذا[1] بقدوم ابیہ[2] من کان بالامس بیتا اصبح قبلۃ۔ ایھا الکفرۃ الفجرۃ أ تصدون طریق البیت لإمام البررۃ۔ من ھو احق بہ من سائر البریۃ ومن ھو اولیٰ بہ۔ ولولا حکم اللہ الجلیۃ واسرارہ العلیۃ واختبارہ البریۃ لطار البیت الیہ قبل ان یمشی لدیہ۔ قد استسلم الناس الحجر والحجر یستلم یدیہ۔ ولولم تکن مشیۃ مولای مجبولۃ من مشیۃ الرحمٰن لوقعت علیکم کالسقر الغضبان علی عصافیر الطیران۔ أتخوفون قوما یلعب بالموت فی الطفولیۃ فکیف کان فی الرجولیۃ لفدیت بالحاقات لسید البریات دون الحیوانات ھیھات! فانظروا اثم انظروا ممن شارب الخمر و ممن صاحب الحوض و الکوثر و ممن فی بیتہ الغوانی السکران و ممن فی بیتہ الوحی والقرآن و ممن فی بیتہ اللھوات و الدنسات و ممن فی بیتہ التطھیر والایات وانتم وقعتم فی الغلطۃ التی قد وقعت فیھا القریش لانھم ارادوا قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وانتم تریدون قتل ابن بنت نبیکم ولا یمکن لھم ما دام امیر المومنین

[1] خانۂ کعبہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

[2] امام حسین کی طرف اشارہ فرمایا۔

حیًا و کیف یمکن لکم قتل ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام ما دمت حیًا سلیلا ۔ تعالوا اخبرکم بسبیلہ بادروا قتلی واضربوا عنقی لیحصل مرادکم ۔ لا بلغ اللہ مدارکم وبتد اعمارکم واولادکم ولعن اللہ علیکم وعلی اجدادکم

حمد ہے اس اللہ کی جس نے اس (گھر) کو ان (حسین) کے والد کی ولادت سے شرف بخشا۔ کل جو (اللہ کا) گھر تھا آج قبلہ قرار پایا۔ اے منکرو اور گناہ گارو! کیا تم نیکوکاروں کے امام کے لئے (مراسمِ حج) کعبہ کے راستے کو روک رہے ہو؟ ساری دنیا میں کون ہے جو ان سے زیادہ کعبہ کا مستحق اور ان سے زیادہ اس سے قریب ہو۔ اگر اللہ کی واضح حکمتیں، بلند اسرار اور امتحانِ خلق درمیان میں نہ ہوتے تو ان (حسین) کے قریب جانے سے پہلے کعبہ انکے پاس اڑ کے آجاتا۔ لوگ حجرِ اسود کو چومتے ہیں اور حجرِ اسود ان کے ہاتھوں کو چومتا ہے۔ اور اگر میرے آقا کے ارادے اللہ کی مشیت کے پابند نہ ہوتے تو میں تم پر اس طرح جھپٹ پڑتا جیسے غضب ناک باز اڑتی ہوئی چڑیوں پر جھپٹتا ہے۔ کیا تم ان لوگوں کو ڈرانا چاہتے ہو جو بچپنے میں موت سے کھیلا کرتے ہیں تو بڑے ہو کر وہ کیسے ہونگے؟ دوسرے جانداروں کے علاوہ میں خود اپنے آپ کو اپنے عزیز ترین رفقاء کیساتھ مخلوقات کے سید و سردار پر فدا کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ تم پروائے ہو! دیکھو اور پھر دیکھو کہ شرابخوار کون ہے اور حوض وکوثر کا مالک کون ہے؟ وہ کون ہے جس کے گھر میں بدمست مغنی ہیں اور وہ کون ہے جس کے گھر میں وحی وقرآن کا ذیرہ ہے؟ وہ کون ہے جس کے گھر میں لہو و نجاست کا پڑاؤ ہے اور وہ کون ہے جس کے گھر میں تطہیر اور آیات کا قیام ہے تم اُسی دھوکہ میں مبتلا ہو جس میں قریش مبتلا تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے اور تم بھی اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ اور جب تک امیر المومنین زندہ تھے ان کے لئے رسول کا قتل ممکن نہ ہوا اور جب تک میں زندہ ہوں ابو عبداللہ حسین علیہ السلام کا قتل کیسے ممکن

ہے۔ اللہ تمہیں تمہارے مقصود تک نہ پہنچائے اور تمہیں اور تمہاری اولاد کو پراگندہ اور منتشر کردے اور تمہیں اور تمہارے اجداد کو اپنی رحمتوں سے دور رکھے۔

حضرتِ ابوالفضل سے منسوب اس خطبہ سے برصغیر کے خواص کسی حد تک آشنا تھے۔

✲ ✲

بطل جلیل القدر وسعادت کا ہما، شہنشاہ وفا، باب الحوائج، علمدارِ لشکر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السّلام

ہو اجازت تو اب سوال کروں
تم خود سن لو تو عرض حال کروں

بے قراروں کا قرار ہو تم
دل مومن کا اعتبار ہو تم
آل طٰہٰ کا افتخار ہو تم
نائب شیر کردگار ہو تم

جو بلا آئی تم نے روکی ہے
تم نے شبیرؑ کی مدد کی ہے

وہ جو عالم کا شبیرؑ
وہ خدائی کا رہنما شبیرؑ
وہ محمدؐ کا لاڈلا شبیرؑ
فاطمہ کا وہ مہ لقا شبیرؑ

کام اُمّت کا جو سنوارتا ہے
وہ مدد کو یقین پکارتا ہے

لٹ چکی جب حسینؑ کی سرکار
نہ رہے کوئی یاور و انصار
ایک مظلوم ہزاروں وار
گھر گیا ابن حیدر کرار
پشت مرکب سے جھک گئے شبیرؑ
بھائی کو ڈھونڈتے چلے شبیرؑ
دی صدا بھائی کی مدد کو آؤ
آؤ عباسؑ دشمنوں کو ہٹاؤ
یہ ضعیفی، یہ دل، جگر کا گھاؤ
فوج کا رنگ اب بگڑتا ہے
آؤ زہراؑ کا گھر اجڑتا ہے
گئی آواز جب نہر کے پاس
تڑپ اٹھا کوئی بقدر یاس
رو کے بولے شاہ درد اساس
رب کی مرضی ہے سو رہو عباسؑ
نہ ہووے چین چین آتا ہے
دو گھڑی میں حسین آتا ہے
تم نے کی ہے حسینؑ کی نصرت
قرب حق سے ملی ہے عجب قوت

اے علی ازم کربلا ہمت
رہ گئی حشر تک یہی طاقت
جسم ایماں میرے تم سے دم باقی ہے
کٹ گئے ہاتھ علم باقی ہے

دین و دنیا میں ولی حیات
سب کی بخشش ہے اب تمہارے ہات
نازش فاطمہ ہے یہ سوغات
زیب محشر یہی ہے وجہ نجات
قول معصوم آشکارا ہے
دستِ عباس کا سہارا ہے

اے علی ولی کے نورِ نظر
دخترِ مصطفیٰ کے قلب و جگر
ہے تمہاری ہی یاد شام و سحر
مری دنیا بھی عجب محشر
تم جو چاہو تو پھر کیا ہے مشکل
ابن مشکل کشا، کشا مشکل

کٹ چکی زندگی بری کہ بھلی
سب حقیقت حضور پہ ہے جلی
زیرِ حق نائب علی ولی
اب تو آ جائیے کہ جان چلی

صبر مظلوم کربلا کی قسم
آپ کو آپ کی وفا کی قسم

مری ہستی کا یہ ورق فریاد
دے رہا ہے غم و قلق فریاد
غم سے سینہ شق فریاد
اے علمدار فوج حق فریاد

اپنے دامن اب چھپا لیجئے
مر رہا ہو تنہا بچا لیجئے

۱۹۷۲ء شاخ مرجان (شعری مجموعہ علامہ رشید ترابی مرحوم اعلی اللہ مقامہ)

maablib.org

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا نصب نامہ مبارک

اسم مبارک: عباس

القاب وکنیت: قمر بنی ہاشم، باب الحوائج، علمدار، سقا، افضل الشہداء، ابوالفضل، ابوالقاسم

والد کا اسم شریف: حضرت علی علیہ السلام

دادا کا اسم مبارک: حضرت ابوطالب علیہ السلام

والدہ محترمہ: فاطمہ کلابیہ (ام البنین)

دادی محترمہ: فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا

نانا کا اسم شریف: حزم بن خالد

نانی مخدومہ: لیلیٰ بنت شہید

زوجہ محترمہ: لبابہ

برادروں کے نام: عبداللہ، جعفر، عثمان

اولادیں: فضل (محمد) قاسم، عبید اللہ

تاریخ ولادت: ۴ شعبان المعظم ۲۶ھ

یوم ولادت: سہ شنبہ (منگل)

مقام ولادت: مدینہ منورہ

عمر مبارک: ۳۴ سال ۵ ماہ ۶ یوم

تاریخ شہادت: یوم جمعہ بعد ظہر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ

مقام شہادت: کربلائے معلی

سبب شہادت: نصرت اسلام سقائی آب

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا مختصر ذکر جمیل!

دعا اور مراد!

خالق کائنات کی بارگاہ میں حضرت ذکریا علیہ السلام نے دعاؤں کے ساتھ دستِ دعا دراز کیا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام متولد ہوئے۔ [1]

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ فاطمہ بنت اسد کی دعا بارآور ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا مرکز جوف خانۂ کعبہ بنا۔ بالکل اسی طرح مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی دعاؤں اور مرادوں کا مجموعہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ہیں۔

نمبر ۱۔ قرآن مقدس، سورہ مریم

نمبر ۲۔ مناقب ابن شہر آشوب، جلد اول طبع بمبئی

عظیم خواہش:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے حکم سے جبریلؑ کے ذریعہ اور حضرت علی علیہ السلام پر پیغمبر اسلام کے ذریعہ واقعہ کربلا آشکار تھا۔ اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس امر سے بخوبی واقف و آگاہ تھے کہ میرا فرزند "حسینؑ" تین شب و روز کا بھوکا پیاسا کربلا کے میدان میں شہید کر دیا جائے گا اور آپ اس بات سے بھی باخبر تھے اس وقت میں نہ ہوں گا اور نہ ہی میرا فرزند حسنؑ ہو گا کہ اس عظیم مصیبت میں ہم اس کی مدد کر سکیں لہٰذا حضرت

[1] نفس المہموم صفحہ ۲۳

علی علیہ السلام رنجیدہ اور متفکر تھے لہٰذا اسی عالم تفکر میں آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش کوئی ایسی اولاد ہوتی جو کربلا میں فرزند پیغمبر حسینؑ کے کام آتی یہی وہ خواہش وتمنا تھی جس کے نتیجہ میں آپؑ نے بھائی عقیلؑ کو طلب کیا اور فرمایا!

برادر! مجھے واقعات کربلا کا تفصیل سے علم ہے اور میں اس امر سے بھی باخبر ہوں کہ میرا فرزند ''حسینؑ'' تین شب و روز کا بھوکا پیاسا میدان کربلا میں شہید کر دیا جائے گا میری خواہش ہے کہ کسی ایسی خاتون سے عقد کروں جس کی رگوں میں بہادروں اور شجاعوں کا خون دوڑ رہا ہوتا کہ اس سے جو اولاد متولد ہو، وہ میدان کربلا میں میرے حسینؑ کے کام آئے اور اس کی مدد کرے''۔ [1]

جناب عقیلؑ چونکہ انساب عرب اور بہادروں و شجاعوں کے قبیلوں سے بخوبی واقف تھے اسی لیے آپ نے فرمایا کہ!

''بہتر ہوگا کہ آپ بنی کلاب میں حزام کی بیٹی ام البنین سے عقد کر دیں، کیونکہ اس کے آباواجداد سے زیادہ دلیر اور شجاع میری نظر میں کوئی نہیں ہے۔ اور نسب کے اعتبار سے بھی یہ خاندان عرب میں ممتاز تسلیم کیا جاتا ہے اگر آپ اجازت دیں تو خواستگاری کے لیے جاؤں۔ [2]

اس گفتگو کے بعد مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جناب عقیلؑ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا اور کثیر زر مہر کے ساتھ اپنی اس عظیم خواہش کی تکمیل کے لیے قبیلہ کلاب کی طرف روانہ کر دیا۔

جناب عقیلؑ کی سعی حاصل!

[1] اسرار الشہادت صفحہ ۳۱۹

[2] عمدۃ الطالب صفحہ ۳۵۲، تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸

مورخین بیان کرتے ہیں کہ جناب عقیل جب ام البنین کے والد حزام بن خالد کے گھر پہونچے تو قبیلۂ کلاب کے معزز افراد نے نہایت عزت و احترام سے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو حاضرین محفل کے درمیان مسند صدارت پر جگہ دی گئی۔ جناب عقیل نے رسمی گفتگو اور مختصر تعارف کے بعد حزام بن خالد سے اپنا مدعا بیان کیا اور ام البنین کی خواستگاری کی حزام بن خالد نے حضرت عقیل سے دریافت کیا کہ!

''آپ میری دختر کو کس کے لیے چاہتے ہیں۔

جناب عقیل نے فرمایا!

''امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لیے جو رسولؐ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی اور جانشین ہیں''

جناب عقیل کے یہ کلمات خیر سن کر حزام بن خالد کا دل فرط مسرت سے جھوم اٹھا انہوں نے کہا کہ!

''میں اس رشتے کو باعث شرف و افتخار سمجھتا ہوں زہے نصیب کہ میری بیٹی حضرت علی ابن ابی طالب سے منسوب ہو لیکن مناسب ہوگا کہ میں اس رشتے کے لیے اپنی دختر ''ام البنین'' کی مرضی بھی معلوم کرلوں''

اس کے بعد حزام بن خالد اپنے سر پر فخر و مباہات کا تاج رکھے ہوئے داخل خانہ ہوئے بیٹی کو طلب کیا سارا واقعہ گوش گزار کیا اور دریافت کیا کہ!

''بیٹی اس رشتہ کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے؟

حضرت ام البنین نے فرمایا کہ!

''بابا جان! آپ کو اختیار ہے جہاں تک میری مرضی اور رائے کا سوال ہے میں اس رشتے پر فخر محسوس کرتی ہوں اور کل کائنات کے رشتوں سے بہتر سمجھتی ہوں''

بیٹی کی رضامندی لے کر حزام بن خالد واپس آئے اور جناب عقیل سے فرمایا کہ!

''امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے یہ رشتہ قائم کرنا میرے لیے عین سعادت ہے اور میری دختر بھی اس رشتہ پر دل سے راضی اور خوش ہے''

اس مژدہ مسرت کے ساتھ جناب عقیل واپس آئے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں واقعات کی تفصیل سے آگاہ کیا امیر المومنین نے خوشی کا اظہار فرما غرض کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے جناب ام البنین سے عقد کیا۔ عقد کے بعد جناب ام البنین اپنے والد کے گھر سے رخصت ہو کر حضرت علیؑ کے بیت الشرف میں تشریف لائیں اس موقع پر علامہ قزوینی نے تحریر فرمایا ہے کہ!

''حضرت علیؑ کے بیت الشرف میں داخل ہونے سے پہلے جناب ام البنین نے ڈیوڑھی کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد داخل ہوئیں اور حضرات حسنین علیہم السلام کے گرد اپنے کو تین با تصدق کیا شہزادوں کے لب ہائے مبارک اور پیشانیوں کو چوما ان کی زلفوں کو سنوارا اور پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں اے میرے آقازادو! میں تم پر نثار۔ میں تمہاری خادمہ بن کر آئی ہوں مجھے اپنی کنیزی میں قبول کرلو۔ خدا گواہ ہے کہ میں تمہاری دل و جان سے خدمت کروں گی۔ [1]

ایک ضروری وضاحت!

تاریخ کی اکثر و بیشتر کتابوں سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شہزادیٔ کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حیات طیبہ میں کوئی عقد نہیں کیا البتہ شہزادی معصومہ کونین سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد آپ نے سب سے پہلا عقد حضرت ام البنین سے کیا جیسا کہ علامہ اردبیلی اپنی کتاب ''اکسیر التواریخ'' المعروف بہ سیرۃ الائمہ'' پر اور ''کشف الغمہ طبع بمبئی صفحہ ۳۰۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ!

---

[1] ریاض القدس جلد ۲ صفحہ ۴۴ طبع ایران

''حضرت علیؑ کی نو بیویاں تھیں لیکن سیدہ عالیہؑ کی زندگی میں آپ نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا بلکہ ان کی شہادت کے بعد آپ نے ام البنین بنت حزام سے عقد فرمایا۔

جناب ذاکر حسین نے اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' میں حضرت علی علیہ السلام کی بیویوں کی جو فہرست تحریر کی ہے اس میں بھی حضرت ام البنین کو دوسرے نمبر پر قرار دیا ہے۔ [1]

لیکن اس کے برعکس علامہ محمد باقر خراسانی نے اپنی کتاب ''کبریت احمر'' میں تحریر فرمایا ہے کہ!

''حضرت علیؑ نے وفات سیدہ سلام اللہ علیہا کے بعد سب سے پہلے ام البنین سے عقد کیا'' تذکرۃ الخواتین میں بھی یہی تحریر ہے۔ [2]

لیکن حضرت فاطمہ کی وصیت کے پیش نظر یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ بوقت وفات آپ کی یہ وصیت تھی کہ میرے بعد آپ امامہ بنت زینب سے عقد کرلیں۔ [3]

علامہ کلینی نے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ جناب فاطمہ کے بعد سب سے پہلا عقد امامہ بنت زینب ہی کے ساتھ کیا تھا۔ [4]

عباس کے معنی!

لغات کی صراحت کے مطابق ''منجد'' کے صفحہ ۵۰۲ پر عباس کے معنی زیادہ ترش

---

[1] تاریخ اسلام جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۳۹

[2] کبریت احمر جلد ۳ صفحہ ۸۱۳

[3] کبریت احمر جلد ۳ صفحہ ۸۱۳

[4] اصول کافی، برحاشیہ مراۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۵۲۳

رو کے تحریر ہیں اور اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ یہ شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ [1]

افسر للغات مطبوعہ حیدر آباد دکن کے صفحہ ۲۶۳ پر مرقوم ہے کہ عباس کے معنی شیر اور مرد پہلوان کے ہیں اور یہ اسم مبارک فرزند علی مرتضیٰ علیہ السلام کا ہے، غیاث اللغات مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۲۸۰ پر تحریر ہے کہ عباس بالفتح وتشدید ثانی بمعنی شیر اور نام پیغمبر اسلام کے چچا کا ہے جن کی طرف خلفائے عباسیہ منسوب ہیں یہ نام حضرت علی علیہ السلام کے فرزند کا بھی ہے جو حضرت کی اس بیوی سے متولد ہوا تھا جس سے آپ نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد عقد فرمایا تھا۔

لغات مذکورہ کے علاوہ لغات کشوری مطبوعہ نورل کشیور پریس لکھنؤ ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۲۸۱ ندیہ اللغات جلد ۳ صفحہ ۳۱۷ ہے نیز جامع اللغات مطبوعہ اللہ آباد کے صفحہ ۲۷۱ پر بھی تقریباً یہی معنی تحریر ہیں کبریت احمر جلد نمبر ۳ جلد ۲ پر مرقوم ہے کہ کمال شجاعت کو نظر میں رکھتے ہوئے امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند کا نام عباس رکھا تھا۔

اے علمدار حسینؑ ابن علیؑ! جان وفا
تو نے دنیا کو دکھا دی حد امکان وفا

حضرت عباس ابن علی علیہ السلام کی جاں نثاری اور وفاداری ارتقا کی آخری م پر فائز تھی کیا کہنا یہ بزم شجاعت کی ضوفشاں اور نور افگن شمع اقلیم وفا کے سب سے بڑے تاجدار ہیں مملکت جاں نثاری کے عظیم درخشاں حکمراں ہیں حشر ملوکانہ وجاں بازی انہیں کے شایان شان ہے ان میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شان اور ابن رسول اللہؐ کی آن بان ہے یا یوں کہا جائے کہ تشنہ لب مظلوم کربلا کے علمبردار اور ساقی کوثر کے نشان ہیں۔

---

[1] تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸

انہیں زیبائے سقاوت کو ناز ہے اگر قیامت تک لیلیٰ شب کے بعد سلمائے جمال کی صبح نمودار ہوتی رہے اور رات کے بعد پرچم صبح لہراتا رہے روشن روآفتاب اور چمک دار مہتاب اپنی قندیلیں لیکر چکر لگاتے رہیں قمر بنی ہاشم کی مثل نظیر پیدا نہیں کر سکتے۔ خورشید خاور سینہ افق مشرف سے طلوع کر کے آسمان سارے منازل کو طے کرتا ہوا۔ بحر مغرب میں غروب کر کے تا مدت الفجر غوطے لگائے۔ ارباب فہم عقل ایسا روشن چراغ لے کر کائنات عالم سے چپہ چپہ کا جائزہ لیں اور ظلمت کدۂ دہر لیے ذرہ ذرہ کو چھان ڈالیں مگر حضرت عباس بن علی جیسا کامل انسان مل نہیں سکتا۔

اے عباس! اہل عظمت ہی سمجھتے ہیں تیری شان وفا!

صاحبان ادراک دریائے فرات میں لاکھ غوطہ زنی کریں مگر صدف امامت کے بیش بہا موتی کی نظیر عالم وجود میں لا نہیں سکتے۔

یہ حسینی ہیرو مملکت شجاعت کا وہ بے مثل اور عظیم المرتبہ بادشاہ ہے جس کی جلالت شان سے بڑے بڑے نامی پہلوان بید کی طرح لرزہ براندا ہو جاتے تھے، اور زبردست نبرد آزما سورماؤں کے دل دہلنے لگتے تھے۔

اللہ رے علی کی شان والا بہادر تیرے ہی ضرب میں ضربت علویہ نظر کی جھلکی تھی جس کی ہیبت سے فیل تن پہلوان بزدلوں کی طرح بھاگتے نظر آتے تھے۔

هذا الشجاع هوا الذی من باسه
فرالکما فرار کل جیانِ

حضرت عباسؑ کی تاریخ ولادت کا مطالعہ تحقیق کی روشنی میں

کتب تواریخ وسیر کے مطالعہ میں شدید عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد بھی افسوس ہے کہ قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی تاریخ ولادت کی طرف صحیح

رہنمائی کا کوئی ذریعہ نہ ملا نہ احادیث متواترہ اس کا پتہ دیتے ہیں نہ احاد کچھ کہتے ہیں۔ جن کتب مقاتل پر واقعات کربلا کی ترجمانی کا انحصار ہے وہ اس تذکرۂ عالیہ سے بالکل خالی اور عاری ہیں اور کتب تواریخ نے اس کی طرف رہبری کرنے میں سخت کوتاہی سے کام لیا ہے مگر جوئندہ یابندہ ڈھونڈھنے والا کچھ نہ کچھ ضرور پالیتا ہے۔ اگرچہ کتب سیر وتواریخ و مقاتل نے اس کی طرف رہبری کرنے میں پہلوتہی ضرور کی ہے اور کوئی صحیح راستہ نہ بتایا مگر چند اقوال ایسے ملے ہیں جو قلم بند کیے جاتے ہیں ان کی رقم طراز کے بعد تحقیقی نقطۂ نظر سے بتایا جائے گا کہ کون سا قول بہتر ہے جس کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۱) و (۲) جناب مولوی سید محمد ضامن صاحب طاب ثراہ متوطن قصبۂ سادات کراری ضلع الہ آباد نے اپنی کتاب، جواہر زواہر، غیر مطبوع کے صفحہ ۱۰۹ میں آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الاولیٰ اور صفحہ ۱۱۱ میں ۱۸ رجب المرجب تحریر فرمائی ہے۔

(۳) حضرات صوفیان کرام آپ کی تاریخ ولادت ۱۳ رجب المرجب بتاتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو، شاہ محمد حسن صابری چشتی اپنی کتاب " آئینہ تصوف " طبع رام پور ۱۳۱۱ھ کے صفحہ ۳۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عباس علمبردار بن علی کرم اللہ وجہہ بتاریخ ۱۳ رجب المرجب بروز پنجشنبہ بوقت صبح مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

(۴) اہل ایران نے آپ کی تاریخ ولادت چوتھی شعبان المعظم قرار دی ہے اور آقایان نجف اشرف سے فتاویٰ حاصل کر کے اس کا خلاصہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

ولادت باسعادت باب الحوائج قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ در آقایان نجف لیلۂ چہارم ماہ شعبان از اسناد معتبرہ موثقہ بدست آوردہ اند الخ " مجلۂ علمیہ نہال ترقی صفحہ ۲۲ ماہ شعبان ۱۳۵۰ھ مشہد مقدس۔

تحقیق:

اس تاریخ ولادت کے سلسلہ میں جب اقوال مذکورہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو نقطۂ فکر اور زاویۂ کمال اس امر پر جا کر منتہی ہوتا ہے کہ اول وثانی وثالث باطل ہیں۔ اس لیے کہ ان کا مستند ہونا غیر واضح ہے اب رہ گیا چوتھا قول جو اہل ایران کا نظریہ ہے وہی میرے نزدیک بھی حق ہے، اس لیے کہ اقوال غیر موثقہ پر علماء اعلام نجف اشرف کی تحقیق کھلی ہوئی ہے۔ اب رہ گیا سن ولادت اس کے متعلق علامہ شیخ طاہر سماوی اپنی کتاب ابصار العین فی انصار الحسین طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ کے صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں۔ ولد سنة ست و عشرین من الهجرة الخ کہ حضرت عباس علیہ السلام ۲۶ھ میں کتم عدم سے حیز وجود میں تشریف لائے۔

حضرت عباسؑ کی پیدائش کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی تمنا

حضرت علی علیہ السلام کربلا کے سنگین واقعہ سے بہر حال واقف تھے، جناب سیدۂ عالمیان کی شہادت کے بعد آپ نے اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب سے جو انساب عرب سے بہ خوبی واقف تھے، فرمایا کہ اے بھائی عقیل!

میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے ایسے خاندان کی ایک خاتون تجویز کر دو، جو نہایت بہادر اور جری ہوں تا کہ اس خاندان کی عورت سے جو بچہ پیدا ہو وہ بھی نہایت ہی بہادر ہو، جناب عقیل نے عرض کی کہ آپ فاطمہ کلابیہ سے تزویج کریں۔ اس لیے کہ وہ نہایت عالی خاندان بی بی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے جناب ام البنین سے تزویج کی اور ان کو اپنے حبالہ میں لا کر رکھا۔

حضرت عباسؑ کی ماں کا نام اور نسب نامہ:

آپ کے نام اور نسب کے بارے میں علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا نام فاطمہ تھا۔ آپ خزام ابن خالد ابن ربیعہ بن لوی ابن غالب بن کعب ابن عامر بن کلاب ابن ربیعہ ابن عامر ابن صعصعہ ابن معاویہ ابی بکر ابن ہوازن کی بیٹی تھیں۔ یہ سارا خاندان نہایت ہی زبردست اور جلیل الشان تھا۔

حضرت عباسؑ کی ماں کی کنیت:

حضرت علی علیہ السلام نے جناب عقیل سے مشورہ کے بعد جناب فاطمہ کلابیہ سے تزویج کی، اور ان سے چار فرزند، حضرت عباس، جناب عبداللہ، جناب عثمان، جناب جعفر پیدا ہوئے، تب ہی سے آپ کی کنیت ام البنین قرار پائی۔

دراصل یہ وہ چار فرزند ہیں جن کی نظیر ناممکن ہے ان کے مفصل کارنامے آئندہ ذکر کیے جائیں گے۔ [1]

حضرت عباس علیہ السلام کی پیدائش کا راز

یہ تو معلوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس بات کی تمنا فرمائی کہ ایسا فرزند عالم وقوع میں آئے جو نہایت ہی جری اور بہادر ہو مگر یہ نہ واضح ہوا کہ آپ نے اس باتت کی تمنا کیوں فرمائی۔

دراصل اس کا راز یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام بعلم امامت اور بارشاد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان جملہ واقعات ہائلہ سے واقف تھے جو سرزمین کربلا پر ہونے والے

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ، تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ طبع ایران، مقتل عوالم صفحہ ۹۳ طبع ایران، عمدۃ الطالب صفحہ ۳۲۳ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ، ابصار العین علامہ سماوی صفحہ ۲۶ طبع نجف اشرف۔

عباس علیہ السلام کے پیدائش کی تمنا اس لیے کی تھی، کہ وہ امام حسینؑ کی مدد کریں۔

مگر واضح رہے کہ اولاد کی خواہش محض اعانت کے لیے کرنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہی راز حضرت علی علیہ السلام کی خلقت کا بھی ہے۔ ایک مرتبہ جناب فاطمہ بنت اسد اپنے دولت سرا میں تشریف رکھتی تھیں۔ اتنے میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر تشریف لائے، آپ کے پیروں میں کسی ٹھوکر لگنے کی وجہ سے لغزش پیدا ہوئی۔ اور قریب تھا کہ آپ گر پڑیں۔ آپ نے فوراً اس درخت کا سہارا دیا جو گھر میں بالکل خشک موجود تھا۔ ادھر سرور کائنات کا ہاتھ اس درخت سے لگا کہ وہ درخت فوراً سرسبز و شاداب ہوگیا۔ جناب فاطمہ بنت اسد اس راز کو از ابتدا تا انتہاء دیکھنے کے بعد آغوش تمنا وا کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے درگاہ قاضی الحاجات میں عرض کی **اللهم رب السموات ارزقني ولدا ذكرا يكون اخا لمحمد** اے اللہ آسمانوں کے پالنے والے مجھے ایک ایسا فرزند عطا کر جو محمد کا مددگار بھائی ہو، چنانچہ فاطمہ بنت اسد اسی شب حاملہ ہوئیں اور جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ [1]

غرض کہ اسی دعا کا اثر ہے کہ جناب ابوالفضل العباسؑ نے کربلا کے ہولناک واقعہ میں اس طرح شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے جاں نثار کردی کہ جس کی نظیر سے تواریخ کے صفحات بالکل عاجز ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اسد اللہ کے شیر نام نامی عباس محض ان کی شجاعت اور شیرانہ دلی کی وجہ سے رکھا گیا ہو۔ العباس من اسماء الاسد شیروں کے ناموں میں سے ایک نام عباس بھی ہے۔ [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباسؑ شجاعت علویہ کے وارث دار تھے اور بے مفاد

[1] مناقب شہر آشوب جلد ا صفحہ ۲۲ طبع بمبئی۔

[2] المنجد باب عین صفحہ ۵۰۳ طبع بیروت۔

عباس علیہ السلام کے پیدائش کی تمنا اس لیے کی تھی، کہ وہ امام حسینؑ کی مدد کریں۔

مگر واضح رہے کہ اولاد کی خواہش محض اعانت کے لیے کرنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہی راز حضرت علی علیہ السلام کی خلقت کا بھی ہے۔ ایک مرتبہ جناب فاطمہ بنت اسد اپنے دولت سرا میں تشریف رکھتی تھیں۔ اتنے میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر تشریف لائے، آپ کے پیروں میں کسی ٹھوکر لگنے کی وجہ سے لغزش پیدا ہوئی۔ اور قریب تھا کہ آپ گر پڑیں۔ آپ نے فوراً اس درخت کا سہارا دیا جو گھر میں بالکل خشک موجود تھا۔ ادھر سرور کائنات کا ہاتھ اس درخت سے لگا کہ وہ درخت فوراً سرسبز و شاداب ہو گیا۔ جناب فاطمہ بنت اسد اس راز کو از ابتدا تا انتہاء دیکھنے کے بعد آغوش تمنا وا کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے درگاہ قاضی الحاجات میں عرض کی اللھم رب السموات ارزقنی ولدا اذکرا یکون اخا لمحمد اے اللہ آسمانوں کے پالنے والے مجھے ایک ایسا فرزند عطا کر جو محمد کا مددگار بھائی ہو، چنانچہ فاطمہ بنت اسد اسی شب حاملہ ہوئیں اور جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ [1]

غرض کہ اسی دعا اثر ہے کہ جناب ابوالفضل العباسؑ نے کربلا کے ہولناک واقعہ میں اس طرح شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے جاں نثار کر دی کہ جس کی نظیر سے تواریخ کے صفحات بالکل عاجز ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اسد اللہ کے شیر نام نامی عباس محض ان کی شجاعت اور شیرانہ دلی کی وجہ سے رکھا گیا ہو۔ العباس من اسماء الاسد شیروں کے ناموں میں سے ایک نام عباس بھی ہے۔ [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباسؑ شجاعت علویہ کے وارث تھے اور بہ مفاد

---

[1] مناقب شہر آشوب جلد ۱ صفحہ ۲۲ طبع بمبئی۔

[2] المنجد باب عین صفحہ ۵۰۳ طبع بیروت۔

مقولہ عربیہ" الولد سر لابیہ" بیٹا وہی قدم بقدم ہو جو باپ کے حضرت علی علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

کیوں نہ عباس ہوتے مثل علیؑ
شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے

حضرت عباس علیہ السلام کی کنیت مبارک

گلشن سیر و تواریخ کی تفریح کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ تاجدار مملکت فضائل قوت بازوئے حضرت امام حسین علیہ السلام، جناب عباس کی کنیت مبارک کے متعلق سارے مورخین کا اجماع ہے۔ کہ ابوالفضل تھی۔

(چنانچہ..........عباس یکنی اباالفضل۔ [1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ کا حسب ذیل شعر ہمارے دعوے کا شاہد اعظم ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

اخی کنت عونی فی الامور جمیعھا
ابالفضلٗ یا من کان بالنفس باذلاً

علامہ شیخ طاہر سماوی اپنی کتاب ابصار العین فی انصار الحسین طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ کے صفحہ ۲۹ پر شہادت کے بعد کی کنیت کو یوں لکھا ہے۔ ویکنی ابا قربة بعد قتلہ آپ کی کنیت شہادت کے بعد ابوقربہ قرار پائی۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

[1] مقتل عوام صفحہ ۹۱ طبع ایران، تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ تا ۱۷۸ طبع ایران، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹ طبع بمبئی، بحار الانوار علامہ مجلسی طبع ایران۔

حضرت عباس علیہ السلام کی پرورش

ارباب نظر جانتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ تو اس وقت تک آنکھ نہیں کھولی جب تک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لائے تھے۔ آں حضرتؐ نے اپنی آغوش رحمت میں لے کر اپنی زبان مبارک دہن اقدس میں دے کر بزبان حال اقرار جاں بازی لے لیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ حضرت علی علیہ السلام شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہونے کو ہر وقت تیار رہا کرتے تھے۔ کسی وقت آپ نے ساتھ نہیں چھوڑا۔

جب نبرد آزمائی کا موقع آیا نہایت ہی بے جگری سے لڑے جب جاں نثاری کا وقت آیا آں حضرت کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہا دیا۔ جب ہجرت کا موقع آیا تلواروں کے سایہ میں میٹھی نیند سو کے بتا دیا کہ دیکھو حمایت اس کا نام ہے سچ تو یہ ہے کہ زبان چسانے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔

اور یہ تو بالکل واضح ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام بہ نص قرآنی حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند تھے اور جناب عباس علیہ السلام حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نور نظر تھے۔ اب صاحبان نظر مطابقت کر لیں۔ اس کے متعلق شارح زیارت ناحیہ نے ذمہ دارانہ طور سے جو کچھ لکھا ہے وہ ہم قلمبند کیے دیتے ہیں۔ ''کتب مقاتل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام پرورش کردہ اور تعلیم دادہ جناب سید الشہدا کے ہیں، وقت ولادت حضرت ہی نے کان میں اذان فرمائی اور لعاب دہن مبارک قبل شیر مادر دیا ہے اور سینہ مبارک سے ہمیشہ لگائے رہے ہیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب تک جمال جہاں آرا کو ملاحظہ نہیں کیا آنکھ نہیں کھولی۔ انتہی۔ [1]

---

[1] شرح زیارت ناحیہ صفحہ ۲۴ طبع لکھنؤ

ذہن عباسؑ میں معرفت باری تعالیٰ کی عاقلانہ لہر

جن کے نگار خانہ دماغ میں احساسات کی تصویریں آئے دن نقش جمایا کرتی ہیں۔ ان کے پیش نظر ہے کہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار حضرت امام علی علیہ السلام کے اثر قدم پر گامزن تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کا مشہور مقولہ **لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً**۔ ان کے معرفت کی انتہا اور ہر قدم بقدم چلنے والے کے مراتب کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق حضرت امام جعفر صادقؑ کا یہ فرمانا کہ وہ نافذ البصیرت تھے، آپ کی فضیلت اور شخصیت کے عالی شان قصر میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل حضرت علی علیہ السلام ایک دن مسند خلافت پر بیٹھے ہوئے تبلیغ دین اسلام میں مشغول تھے۔ ایک طرف پر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام جلوہ گر تھے اور ایک طرف پر حضرت ثانی زہرا زینبؑ فروکش تھیں۔ دستور زمانہ کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بیٹا عباسؑ کہو "واحد" حضرت عباس علیہ السلام نے کہا واحد۔ پھر فرمایا کہو "اثنین" یعنی دو، یہ سن کر حضرت عباسؑ دم بخود ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے پے در پے اصرار پر مودبانہ عرض پرداز ہوئے کہ بابا جان خطا معاف۔

میں ایک کا قائل ہوں کبھی دو نہ کہوں گا

مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کلمہ پڑھ چکا ہوں اس سے دو کیوں کر کہوں یہ وہ جوابی کلمہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام فرط مسرت سے رخسار حضرت عباس علیہ السلام کے بوسے دینے لگے۔

وارد شد کہ عباس طفل بود بر ران جناب علی نشستہ و زینب ہم طفل بود بر ران دیگر و نشستہ جناب علی فرمود کہ اے عباس بگو واحد عباس گفت واحد پس فرمود بگو دو عرض گردانید کہ شرم می ارم بزبانے یکے گفتہ ام دو بگویم آن جناب را خوش آمد بوسہ داد الخ۔ [1]

مروی ہے کہ حضرت عباسؑ نہایت کم سنی کے عالم میں حضرت علیؑ کے ایک زانو پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک زانو پر جناب زینب تشریف فرما تھیں حضرت نے فرمایا۔ کہ اے بیٹا (حسب دستور زمانہ تم بھی گنتی گنو) اور کہو ایک حضرت عباسؑ نے کہا "ایک" پھر فرمایا کہ کہو "دو" عباس نے عرض کی کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کہہ چکا ہوں دو کیونکر کہوں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ انتہائی خوشی کے عالم میں بوسے دینے لگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالفضل العباسؑ کا یہ عاقلانہ جواب ایک زبردست فضیلت کا جلوہ بردار ہے۔ اس کم سنی میں معرفت کے دریا میں ڈوب کر تعلیم قرآن پر عمل پیرا ہونا اور لا تتخذوا الٰھین اثنین الخ سورہ نحل" دو خدا نہ قرار دو، کے معنی کو سمجھ لینا انہیں کا کام تھا یہ ہے ایسے ہی لوگ کامل الایمان کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[1] مجالس المتقین علامہ برغانی صفحہ ۷ ۳ طبع ایران ۱۲۶۳ھ

عالم طفولیت میں حضرت عباس علیہ السلام کا ایک نمونہ

جب حضرت علی علیہ السلام سرزمین کوفہ پر قیام پذیر تھے اسی دوران میں ایک دن مسجد کوفہ میں رونق افروز تھے اور پہلوئے اقدس میں حضرت امام حسینؑ فروکش تھے، جناب سید الشہداء نے قنبر سے پانی طلب فرمایا جناب ابوالفضل العباس نے یہ نہ گوارہ کرتے ہوئے کہ میری موجودگی میں قنبر پانی لائیں بمقتضائے صغرسنی آپ دوڑے اور پانی کا لبریز ظرف سر اطہر پر رکھ کر لانے لگے حرکت تیز رفتاری سے پانی چھلک چھلک کر گرنے لگا۔ جب آپ حضرت امام حسینؑ کے پاس اسی صورت سے پہونچے تو آپ حتماً واقع ہونے والے واقعات کربلا کو یاد کر کے اشک بار ہوئے۔ [1]

رزم گاہ صفین میں حضرت عباسؑ کا وجود

میدان تواریخ میں رہروی کرنے والے جنگ صفین جیسی زبردست اور حشر انگیز لڑائی سے بخوبی واقف ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام اور مالک اشتر کی نبرد آزمائی شام اب تک فراموش نہیں ہوسکتی اس گھمسان کی جنگ میں حضرت عباسؑ بن علیؑ کا وجود ذی جود ان کی شجاعت پر اچھی خاصی روشنی ڈالتا ہے۔ بعض لوگوں کی تحقیق کی بناء پر آپ نے قیامت خیز جنگ فرمائی ہے "تحفہ یوسفیہ صفحہ ۵۵ طبع لکھنؤ ۱۳۱۷ھ" میں ہے کہ ایک مرتبہ محمد حنفیہ نے عرض کیا کہ پدر بزرگوار آپ مجھ کو امر جہاد فرماتے ہیں اور حضرت امام حسینؑ کو حکم جہاد نہیں ہوتا ارشاد ہوا اے فرزند تو میرا فرزند ہے اور حسینؑ فرزند رسولؐ ہیں کس طرح حسینؑ کو حکم جہاد دیا جاوے۔ یہ کلام حضرت امام حسینؑ کے گوش زد ہوا۔ حضرتؑ نے بھی رخصت طلب

---

[1] چہل مجلس صفحہ ۳۱۲ طبع لکھنؤ

کی جب بہت اصرار کیا تو حضرت نے اجازت جہاد دے دی۔ اور سید الشہدا جنگ کے واسطے تشریف لے گئے۔ مگر مظلوم کربلا کے جاں نثار عباسؑ نامدار نے جو دیکھا کہ میرا آقا لڑنے کے واسطے تشریف لے گیا ہے دل جناب عباسؑ کا بے چین ہو گیا اور شاید اس وقت سن مبارک نو برس کا تھا اصحاب امیر المومنین علیہ السلام کہتے ہیں کہ ناگاہ ایک برق سامنے سے چمک گئی یعنی ایک سوار اس طرح ایک جانب سے نکلا کہ یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کون ہے اور دیکھا کہ درمیان صفوف لشکر درآیا نیزہ اس جرار کے ہاتھ میں تھا۔ غیظ میں آ کر نیزے کو ہلایا اور جوانان لشکر شقاوت اثر کو نیزے کی نوک پر اٹھا کر ہوا پر پھینک دیا پھر فوراً دوسرے کو نیزے کی نوک پر اٹھایا اور اس کو بھی بالائے ہوا پھینک دیا۔ تا ایں کہ بہت سے اشقیا کو واصل جہنم کیا۔ جب نوے اشقیا ایک چشم زدن میں فی النار ہوئے تو غلغلہ ہوا کہ یہ کون شیر دلیر ہے معلوم ہوا کہ قریبی ہاشم فرزند حیدر صفدر عباس حق شناس ہیں۔ انتہیٰ

یہ عیون الفاظ تھے جو قلمبند کیے گئے۔ لیکن کتب موثقہ رزمگاہ صفین میں صرف وجود کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شیخ طاہر سماوی اپنی کتاب ابصار العین صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں کہ آپ محض موجود تھے۔ **فلم یاذن له ابوه بالنزال** لیکن حضرت علیؑ نے نبرد آزمائی کی اجازت نہیں عنایت فرمائی، اس کی شہادت میں ملاحظہ ہو علامہ موثق ابن خوارزمی لکھتے ہیں کہ رزمگاہ صفین میں حضرت علیؑ نے کریب سے مقابلہ کرتے وقت حضرت عباسؑ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ بیٹا ذرا اپنے کپڑے تو اتارو حضرت عباسؑ نے فوراً کپڑے اتار دیے، حضرت علیؑ نے ان کا لباس پہن کر حکم دیا کہ تم میرے کپڑے پہن لو حضرت عباسؑ نے حسب الحکم لباس امامت زیب تن کیا حضرت علیؑ نے اس لیے لباس بدلا تھا کہ کریب یہ نہ سمجھے کہ علیؑ لڑنے آرہے ہیں، ورنہ مقابلہ نہ کرے گا چنانچہ میدان میں جا کر آپ نے کریب سے مقابلہ کا ارادہ کیا اتنے میں عبداللہ بن عدی حاذبی آگئے اور عرض کی مولا آپ واپس تشریف لے جائیں اس سے میں لڑوں گا۔ حضرت علی علیہ السلام اذن جنگ دے کر واپس

چلے آئے۔ عبداللہ میدان میں گئے اور تھوڑی دیر میں جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے جا کر اسے دو ٹکڑے کر ڈالا۔

فدعا علی ؑ ابنہ العباس و کان قاماً کاملا من الرجال فامرہ بان ینزل فرسہ فنزع ثیابہ و رکب فرسہ والبس ابنہ العباس ثیابہ وارکبہ فرسہ لئلا یحس کریب عن مبارزتہ.... الخ [1]

(کریب سے مقابلہ کے وقت) حضرت علیؑ نے اپنے بہادر بیٹے عباس ؑ کو (جو باوجود کم سنی) کامل تھے بلایا اور حکم دیا کہ اپنے گھوڑے سے اترو اور اپنے کپڑے اتارو (حضرت عباسؑ گھوڑے سے اترے اور کپڑے اتارے) حضرت علیؑ ان کے گھوڑے پر سوار ہوئے (اور ان کے کپڑے پہنے) اور اپنے سارے لباس اپنے بیٹے عباسؑ کو پہنا کر اپنے گھوڑے پر سوار کیا (یہ اس لیے تھا) کہ کریب آپ کے مقابلے سے بھڑکے نہیں۔ الخ

دراصل حضرت عباس ؑ کو حضرت علی ؑ کا اپنا لباس پہنا دینا غیر معمولی فضیلت کا جلوہ بردار ہے، گویا حضرت علیؑ نے بہادری میں اپنا حقیقی جانشین بنا دیا۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر شخص اپنے بیٹے کو وارث اور حقدار بناتا ہے حضرت علیؑ امام تھے، حضرت عباسؑ کو وراثت میں امامت دے نہیں سکتے تھے۔ اس لیے کہ امامت من جانب اللہ ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنی شجاعت کا وارث بنایا، جس کے اوپر اپنے کپڑے اتار کر حضرت عباسؑ کے زیب تن کر دینا اور اپنے گھوڑے پر سوار کر دینا) کھلی ہوئی شہادت کا کام کر رہا ہے یہی سبب ہے کہ حضرت عباس ؑ نے حضرت علیؑ کی طرح مملکت شجاعت میں اس طرح حکمرانی کی کہ جس کی آوازہ آج تک زبان زد خواص و عوام

[1] مناقب اخطب خوارزمی صفحہ ۱۹۲ قلمی

ہے۔

زندہ دارد مرد را آثار مرد
نام گل باقیست چوں گرد و گلاب

حضرت عباس علیہ السلام کی شادی اور تعداد اولاد کا انکشاف

فاضل بارع خان بہادر عالی جناب سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی اپنی کتاب ذبح عظیم مطبوعہ دہلی ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۲۱۰ میں رقم طراز ہیں:۔

آپ کی شادی حضرت عباس بن عبدالمطلب کے صاحبزادے عبداللہ کی لڑکی سے ہوئی تھی، کچھ نے آپ کی زوجہ محترمہ کا اسم گرامی ذکیہ لکھا ہے آپ کے دو صاحب زادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ صاحب زادوں میں ایک کا نام فضل تھا اور دوسرے کا عبیداللہ۔ انتہیٰ

اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا اسم گرامی ذکیہ تھا اور آپ کی تین اولادیں تھیں۔ ایک لڑکی اور دو لڑکے، لیکن یہ تفصیل میری نظر قاصر سے کسی کتاب میں نہیں گذری، مگر یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ **عدم الوجودان لا یدل علی العدم** اپنے مقام پر صحیح مقولہ ہے۔

صاحب ناسخ التواریخ جلد ششم صفحہ ۲۸۹ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ میں لکھتے ہیں:۔

وآں حضرت را از لبابہ دختر عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب دو پسر بود یکے فضل و آں دیگر عبیداللہ نام داشت۔ الخ

حضرت عباس علیہ السلام کی لبابہ بنت عبیداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب سے دو فرزند تھے ایک کا نام فضل اور دوسرے کا عبیداللہ تھا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام نامی لبابہ تھا اور آپ

کے دو فرزند تھے، ایک کا نام فضل تھا جو رزم گاہ کربلا میں نبرد آمائی کے بعد شہید ہوئے جن کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ دوسرے عبیداللہ تھے جو بنا بر قول علامہ سماوی جناب ام البنین کے ساتھ جنت البقیع میں بعد واقعہ ہائلہ کربلا رہا کرتے تھے۔

اس کے معاضد وہ عبارت بھی ہے جو علامہ اسفرائنی نے اس موقع پر تحریر فرمائی کہ جب امام حسینؑ نے روز عاشورہ حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ بھیا اب خیمہ میں جا کر رخصت ہو لو فدخل و کان لہ زوجۃ و ولدان فلاقوہ آپ خیمہ میں داخل ہوئے آپ کی زوجہ اور دو بچے تھے جنہوں نے دامن تھام لیا۔ [1]

حضرت عباس علیہ السلام کا مواعظ کا ایک گوشہ

دراصل حقیقی معنوں میں وہی شخص انسان کہے جانے کا مستحق ہے جو کامل انسان حضرت علیؑ کا پیرو ہو، لباس ایمان اسی کے زیب دیتا ہے جو امیر المومنینؑ کا دل سے ماننے والا ہو، اس لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں حبہ ایمان و بغضہ کفر علیؑ کی محبت عین ایمان ہے اور ان کا بغض عین کفر کے مترادف ہے۔

حضرت عباس بن علی علیہ السلام اپنے باپ کی جیت جاگتی تصویر تھے۔ ہر بات میں اپنے باپ کے پیرو تھے۔

ہر امر میں ان کی تاسی کو فرض عین سمجھتے تھے، حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں دنیا کا جتنا وقار تھا۔ اسی نظریہ کے آپ بھی پابند تھے حضرت علیؑ نے دنیا کو تین دفعہ طلاق دی اور ہمیشہ مذمت دنیا کرتے رہے۔ حضرت عباسؑ نے دنیا سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ہمیشہ اس کے طلاق دینے کی ترغیب دنیا والوں کو دیتے رہے اس دعویٰ کا شاہد اعظم ان کے وہ اشعار ہیں جو درج ذیل ہیں:

---

[1] نور العین صفحہ ۲۱ طبع مصر

انت عمر دنیا کا عباً لا عباً بھا
و تلك عجوز تستحق طلاقاً

(اے غافل) آیا دنیا کو جوان ''عورت'' تصور کرتے اس میں دل بستگی اور دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ تجھے معلوم نہیں یہ بالکل بڈھی پھونس عورت ہے جو طلاق دیدینے کے قابل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کو نوجوان حسین عورت سے تشبیہ دینا بتاتا ہے کہ دام فریب میں گرفتار ہونے والا انسان سیکڑوں طریقوں سے اس کے جال میں پھنس سکتا ہے اس لیے کہ فریب حسن ایک مستقل جادو ہے جو دنیا کے کتوں پر آسانی سے چل جایا کرتا ہے۔

ادارت علیك الکاس حتی غفلت عن
معائبھا بالسکر حین تلاقا

وہ تمہاری فریب خوردی نظروں کے سامنے ساقی شراب ناز کی طرح اپنے نازک ہاتھوں میں چھلکتے ہوئے جام لے کر اس طرح دورہ کرتی ہے کہ اپنے نشۂ میں سرمست و سرشار و بے خود کر کے اپنے عیوب کی پردہ پوش بن جاتی ہے۔

ستذھب لذات الخمور اذا
سقتك ایدی المنایا بمر مذ اقا

(مگر یاد رہے) یہ مستی شراب دنیا اس وقت ہرن ہو جائے گی جب موت اپنے بے پناہ تلخ اور ایسے کڑوے جام سے سیراب و سرمست کر کے ملک عدم کی سیر کرائے گی۔ جس کی تلخی ہمیشہ رہے گی، اور اس کا اتنا غلبہ ہوگا کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

وان لا صاب التقی عند حشرھم
کواعب اتراباً و کاساً دھاقاً

(میں سچ کہتا ہوں) کہ دنیا (ایسی حسین عورت) اور شراب دنیا سے پرہیز کرنے

والوں کے لیے عرصہ محشر میں دل بستگی اور دلچسپی کے خاطر جو ہر حسن سے مالا مال اور لباس جمال سے آراستہ پیراستہ بے نظیر حوریں اور شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ملیں گے۔ [1]

لاریب، حضرتؑ نے بے ثباتی دنیا اور اس کے فریب دہی کے طریقوں کو اس حسن سے بیان کیا ہے اور ایسی حسین شکل میں پیش فرمایا ہے کہ جو قابل مدح ہے۔

گلشن دنیا پہ کیوں نازاں ہے تو اے بے خبر
اک مسافروں کی سرا ہے راہرو کی رہگذر
اس کے باشندوں کو لازم ہے فنا المختصر
یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

حضرت عباسؑ کے متعلق صادق آل محمد علیہ السلام کا بصیرت افروز ارشاد

ہمارے چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام مقام مدح حضرت عباسؑ میں فرماتے ہیں کہ چچا عباس بن علی علیہم السلام نہایت مستقل مزاج اور بڑے سوجھ بوجھ کے کامل انسان تھے جو امر معقول ہوتا تھا۔ اس کے کرگذرنے میں ایک پل کی بھی تاخیر نہ ہونے دیتے تھے اور ایمان کے آخری منازل پر فائز تھے۔

روی الشیخ ابو نصر البخاری عن المفضل بن عمر انہ قال الصادق جعفر محمد کان عمنا العباس بن علی علیہ السلام نافذ البصیرۃ صلب الایمان جاھد مع ابی عبداللہ وابلی بلاء حسنا و

---

[1] منابر اسلام علامہ شوستری جلد ا صفحہ ۱۵۴ طبع لکھنؤ

مضئی شہیدا۔ [1]

شیخ ابونصر بخاری مفضل ابن عمر سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے چچا عباسؑ بن علیؑ نہایت ذہین، ہوشیار مستقل مزاج اور ٹھوس ایمان رکھنے والے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کرکے اور بہترین عنوان سے امتحان دیکر شہادت جیسی زرین سند حاصل کر لی۔

حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام کا حضرت عباس علیہ السلام کے لیے نافذ البصیرت صلب الایمان، فرمانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام اپنے باپ کی طرح انسان کامل تھے۔

حقیقۃً آپ کا ہوشیار، ذہین، مستقل مزاج، مطیع مولا، ہمدرد، محب، جاں باز، بہادر، جاں نثار، صاحب مروت، عابد، زاہد، وفادار ہونا۔ وغیرہ وغیرہ

وہ صفات ہیں جو لفظ نافذ البصیرت کے وسیع دامن میں موجود ہیں اور ایمان کے سارے مدارج پر فائز ہونے کا کھلا ہوا ثبوت صلب الایمان سے آشکار ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی ایک زبردست فضیلت

کتب سیر و تواریخ کی اوراق گردانی کرنے والوں کے پیش نگاہ ہے، کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، حضرت عباس علیہ السلام کی مدح سرائی میں رطب اللسان رہا کرتے تھے اور ترحمانہ لہجہ میں فرمایا کرتے تھے خداوند عالم! عباس بن علی علیہ السلام پر رحم کرے کہ انہوں نے اپنے برادر بجاں برابر حسین بن علی علیہما السلام پر جان عزیز نہایت دلیرانہ حیثیت سے نثار کر دی، اپنے نفس کو نفس اور دل کو دل جان کو جان نہ سمجھا اپنے خون بدن کو حسینؑ بن علیؑ کے لیے پانی کی طرح بہا دیا سیکڑوں زخم کھائے اپنے ہاتھ کٹائے یہی سبب ہے کہ ان کو

[1] عمدۃ الطالب صفحہ ۳۲۳ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ

گلشن جنت کی تفریح کے لیے منجانب اللہ اسی طرح دو پر عنایت ہوئے ہیں۔ جیسے جعفر بن ابی طالبؑ کو عطا ہوئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباسؑ کا خدا کے نزدیک وہ جلیل مرتبہ ہے کہ سارے شہداء علیہم السلام ان کو بہ نظر غبطہ دیکھیں گے۔

رحم الله العباس بن علی فلقد اثره و فدی اخاه حتی قطعت یداه فابدله الله تعالی بهما جناحین یطیر بهما مع الملائکه فی الجنة کما جعل لجعفر بن ابی طالب ون للعباس عندالله منزلة یغبطه بها جمیع الشهداء. [1]

خدا عباس بن علیؑ پر رحم کرے کہ انہوں نے اپنے کو حسینؑ پر اس طرح فدا کر دیا، کہ دونوں ہاتھوں کے قلم ہونے کی نوبت آئی اسی لیے خالق عالم نے مثل جعفر بن ابی طالبؑ جنت کی فضا میں سیر و تفریح کی غرض سے پرواز کرنے کے لیے دو بازو (پر) عطا فرمائے (سچ تو یہ ہے) کہ خدا کے نزدیک آپ کا وہ عظیم الشان مرتبہ ہے کہ تمام شہدا غبطہ کریں گے (اور دل سے خواہشمند ہوں گے کہ کاش ایسی جلیل فضیلت سے ہماری قبائے وجود آراستہ ہوتی۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو آپ کے فضائل جلیلہ سے متصف ہونے کا راز سربستہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ راہ خدا میں ہر جان دینے والا شہید ہے، نصرت دین میں جام شہادت پی کر موت کی میٹھی نیند سونے والا حوران جنت سے ضرور ہم کنار ہونے اور تسنیم و کوثر پر پہونچنے والا ہے۔

اسلام کو فنا کے گھاٹ اترنے سے بچانے والا مجاہد ہے مگر حضرت عباسؑ پھر بھی

---

[1] تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۷۷ طبع ایران، مجالس المواعظ والبکا علامہ شیخ جعفر شوشتری صفحہ ۱۱۰، اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۲ طبع ایران، ابصار العین طبع نجف اشرف صفحہ ۲۷

عباسؑ ہی ہیں۔ حسینؑ کی نصرت و مدد میں جمیع شہدا نے گردنیں کٹائیں اور فلسفہ بقا بعد الفنا، کا زریں ثبوت دیتے ہوئے گلشن دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دامن حیات گردان لیا۔ لیکن حضرت عباس علیہ السلام کے علاوہ نہ کوئی اس جلیل الشان فضیلت کا حامل بن سکا نہ غیظ کیے جانے کے قابل ٹھہرا، اس کی وجہ وجیہہ یہ ہے کہ ان میں کچھ ایسے خصوصیات تھے جو جمیع صفوف شہدا کی سرتاج بنائے ہوئے ہیں، جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔

حضرت عباس علیہ السلام کا حضرت جعفر کے ہم مثل قرار دیے جانے کا راز

اس حدیث متذکرۂ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے ان دونوں جلیل القدر شہیدوں کو فضیلت کی ترازو کے ایک ہی پلہ میں کیوں رکھا، اور شہادت کے بعد جس طرح جعفر طیار علیہ السلام کو صفوف ملائکہ میں پرواز کے لیے دو پر عطا فرمائے ہیں۔ اسی طرح حضرت عباسؑ کو کیوں عطا ہوئے۔

دراصل ان دونوں عظیم الشان شہیدوں کی کیفیت شہادت میں مشبہ اور مشبہ بہ اور وجۂ شبہ کی حیثیت سے کافی مناسبات ہیں جو مماثلت کا کھلا ہو پتہ دیتے ہیں، اگر حضرت جعفر طیار علمبردار فوج پیغمبر اسلام تھے تو حضرت عباس علیہ السلام بھی علمدار فوج حسینؑ تھے۔ اگر حضرت جعفر طیارؑ نے تا بہ حیات علم اسلام سرنگوں نہیں ہونے دیا تو حضرت عباسؑ نے بھی حفاظت علم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اگر حضرت جعفرؑ نے اپنے برادر عزیز حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر جان عزیز نثار کر دی تو حضرت عباس علیہ السلام نے بھی اپنے برادر عزیز حضرت امام حسینؑ پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا، اگر حضرت جعفر علیہ السلام وطن سے دور مقام موتہ میں نبرد آزما ہو کر منزل شہادت پر فائز ہوئے تو حضرت عباس بھی اپنے وطن سے دور کربلا میں

شہادت کی منزل پر فائز ہوئے۔ اگر حضرت جعفر علیہ السلام کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے تو حضرت عباس علیہ السلام کے بھی دونوں ہاتھ قطع کیے گئے۔ اگر حضرت جعفر علیہ السلام کو جنت میں پرواز کرنے کے لیے دو پر دیے گئے تو حضرت عباسؑ کو بھی سیر جنت کے لیے دو پر ملے اگر حضرت جعفر علیہ السلام کا لقب طیار ہوا تو حضرت عباس علیہ السلام کا لقب بھی طیار قرار پایا۔ [1]

حضرت عباسؑ کے چند اہم خصوصیات

عقیدت کیش تاریخ دانوں کے پیش نظر ہے کہ جناب سید الشہداؑ کی بزم کی ہر شمع شجاعت کی لو دے رہی تھی۔ اصحاب میں ہر ایک کا ساغر دل نصرت امام حسینؑ کی شراب سے مملو تھا جوش ایمانی کی طغیانی موت پر چھائی ہوئی تھی۔ دراصل یہ لوگ معمولی طبقہ کے انسان نہ تھے۔ ان میں جانبازی اور جاں نثاری انتہائی درجہ کی موجود تھی۔ نصرت امام حسینؑ میں اپنے کو فدا کر دینا اپنی زندگی کا خلاصہ اور نتیجہ حیات سمجھتے تھے۔ اللہ ری بہادری اور جاں نثاری کہ جب کسی آڑے وقت میں ان کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو یہ دستور زمانہ کے خلاف اپنے قلوب کو زرہ پر پہن کر حمایت میں دوڑ جایا کرتے تھے۔

قوم اذا نودہ والد فع ملمة
والقوم بین مکروس و مدعس

یہ ایسے زبردست لوگ تھے کہ جب ورطۂ بھر مصیبت میں پھنسی ہوئی قوم سے دفع بلا کے لیے بلائے جاتے تھے تو۔

بسو القلوب علی الدروع و اقلبوا
یتہافتون علی ذہاب الانفس

اپنے دلوں کو زرہ پر پہن کر اس طرح دوڑ پڑتے تھے، کہ جان دینے میں ہر ایک

---

[1] مجالس المواعظ والبکا علامہ شیخ جعفر شوستری صفحہ ۱۱۰ طبع بمبئی ۱۳۱۹ھ

دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔[1]

جناب محشر لکھنوی فرماتے ہیں۔

مجاہد فی سبیل اللہ ایسے کب نظر آئے
قیامت ہو جنہیں اک اک گھڑی شوق شہادت میں

اب اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسینؑ کے لشکر میں جب ایسے جلیل لوگ اور بھی موجود تھے اور سب نے نمایاں سے نمایاں کام کر کے جام شہادت بھی اس طرح پیا کہ جس کی نظیر سے تاریخ کے اوراق قاصر ہیں۔

سلام ان پہ تہہ تیغ بھی جنہوں نے کہا
جو ترا حکم جو تری رضا جو تو چاہے

دنیا ان کے شجاعت کا لوہا مانے ہوئے ہے تو پھر حضرت عباسؑ ہی فضیلت کے حامل ہونے کی حیثیت سے کیوں سرتاج بنے۔ کیوں انہیں کو پرواز ملے کیوں یہی قائل غیظ قرار پائے۔

اس کا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ قوت بازوئے حسین علیہ السلام حضرت عباس علمدار علیہ السلام میں کچھ ایسے خصوصیات تھے جنہوں نے سارے شہدا علیہم السلام سے ان کو ممتاز کر دیا تھا۔ جن کی وجہ سے قصر فضیلت میں چار چاند لگ گئے تھے۔

آپ کی پہلی خصوصیت:

یہ تھی کہ آپ "قمر بنی ہاشم" تھے...... تاریک رات میں آسمان پر چتر...... ماہتاب اپنے قدرتی نور سمیت طلوع کر کے فضا کے دامن کو............ چمکا روشنی بخش عالم ہوتا ہے اپنے رخ کی چمک سے سارے ستاروں کی دمک کو دبا کر اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ

---

[1] ناسخ جلد ۶ صفحہ ۳۳ لہوف طبع ایران

ستاروں میں اس کو طرۂ امتیاز حاصل ہے۔ اسی طرح بنی ہاشم کا چاند سارے خاندان میں اپنے حسن و جمال کے سبب سے ممتاز تھا۔

ان عباس بن علی کان رجلا و سما جمیلا یقال له قمر بنی هاشم لحسنه و بهائه.[1]

بے شک حضرت عباسؑ نہایت روشن رو، حسین، وجیہہ، جوان تھے، آپ کو حسن و جمال کے کمال کی وجہ سے ''قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا''۔[2]

آپ کی دوسری خصوصیت:

یہ تھی کہ جس طرح فاتح خیبر حضرت علیؑ سید العرب والعجم تھے اسی طرح آپ ''سید الفرسان'' تھے باوجودیکہ آپ ہمیشہ دورکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے مگر آپ کے پائے اقدس زمین پر خط دیتے جاتے تھے، آپ کو امام حسینؑ تمام لوگوں سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔

کان رئیس الشجعان سید الفرسان یرکب الفرس المظهر و رجلاه یخطان فی الارض... الخ.[3]

آپ بہادروں کے بادشاہ، ارسواروں کے سردار تھے دورکاپہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے، اور آپ کے پائے مطہر زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔

آپ کی تیسری خصوصیت:

یہ تھی کہ آپ لشکر حسینی کے علمبردار تھے۔

---

[1] ۔۔۔ عوالم صفحہ ۹۴ طبع ایران

[2] شرح زیارت ناحیہ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹ طبع بمبئی وغیرہ

[3] زیارت ناحیہ مقتل عوالم صفحہ ۹۴ ناسخ التواریخ جلد ۶ ۔۔۔ صفحہ ۱۷۸، انصار العین صفحہ ۳۶ وغیرہ

عن جعفر بن محمد قال عباء الحسین بن علی علیہ السلام اصحابہ واعطیٰ رایتہ اخاہ العباس.... [1]

صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ (روز عاشورہ) امام حسینؑ نے اصحاب کو جمع کیا اور حضرت عباس علیہ السلام کو علم دار بنایا۔

علم بردار فوج کو کیسا ہونا چاہیے

اس مقام پر قابل غور و لحاظ یہ امر ہے کہ فوج کا (کمانڈر انچیف) علمبردار کیسا ہونا چاہیے، اس کے متعلق چند امور بیان کیے جاتے ہیں۔

اول:

یہ کہ علم بردار لشکر کو صاحب ہمت، قوی دل، جری، بہادر، شجاع ہونا چاہیے۔ بڑے بڑے ہولناک جنگاہ میں اپنے کو پہونچا دینا اور دشمنوں سے مقابلہ کرنا اس کا عین شیوۂ زندگی ہو۔ بہادری کے محل اور موقع پر اپنے کمال کا مظاہرہ کرا دے اور ٹڈی دل فوجوں میں اس طرح ڈوب جائے جیسے بحر ناپید کنار میں غوص (غوطہ زن) کا ڈوب جاتے ہیں۔ وہ مقام جنگ میں تلوار کا پانی پی کر حیات ابدی حاصل کرنے خوگر ہو، اس کو حضرت علیؑ کی طرح اس بات کی پرواہ نہ ہو کہ آیا موت مجھ پر پھٹ پڑے گی یا میں موت کے منھ میں خود چلا جاؤں گا۔ وہ فنا کے گھاٹ اترنے کو خلاصہ زندگی اور مطلوب حیات تصور کرتا ہو۔

دوسرے:

یہ کہ علمبردار کو مستقل مزاج ہونا چاہیے، پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائیں تو سر

---

[1] مقتل عوالم صفحہ ۹۳ بحار الانوار تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۷۸، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ طبع بمبئی، مناقب شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۹۷ طبع بمبئی

جائیں مگر اس کے قدم استقلال کو جنبش تک نہ ہو اور جنگاہ میں اس طرح جم کے گھمسان کی جنگ کرنے والا ہو کہ رزم گاہ کی زمین کے ذرات بھی اڑ کر آیۂ (کانھم بنیان مرصوص) کی تلاوت میں رطب اللسان ہو جائیں۔

تیسرے:

یہ کہ علم بردار جنگ گاہ کی طرف بصورت فرار پشت کرنا عار سمجھتا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگ گاہ میں جا کر بغیر نبرد آمائی کیے ہوئے عہدہ علمبرداری کو اس طرح بدنام کرے جیسے بعض نام نہاد مسلمانوں نے صدر اسلام میں بدنام کیا ہے۔

چوتھے:

یہ کہ علم بردار کو مولا اور آقا (سردار) کے حکم کا پابند ہونا چاہیے یعنی جن امور کے متعلق سردار کہ دے اس کے خلاف نہ کرے، اگر وہ کہدے کہ دیکھو جب تک فتح نہ ہو جائے اس وقت تک واپسی کا قصد نہ کرنا تو علمبردار کو لازم ہے جب تک روح تن میں نازک سا بھی رشتۂ حیات باقی ہو میدان جنگ کو چھوڑ کر واپس نہ پھرے، مختصر یہ ہے کہ علم بردار کو ویسا ہی ہونا چاہیے جیسے صدر اسلام میں حضرت علیؑ و جعفرؑ وغیرہ اور روز عاشورہ حضرت عباس علیہ السلام تھے۔

علم برداری کی ابتدا کا مطالعہ تاریخ کی روشنی میں

ارباب تواریخ کے پیش نظر ہے کہ علم، رایت، لواء، نشان، مختلف السنہ کی تقریباً ہم معنی لفظیں ہیں، ان کے استعمال کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے مقام جنگ میں علمبرداری کا عہدہ ایک جلیل منصب سمجھا جاتا ہے، بنی آدم میں سب سے پہلے شیثؑ اور قابیل کے درمیان جنگ ہوئی تھی، اس لیے کہ قابیل نے ہابیلؑ کو ناحق بلا جرم وخطا حسد کی

وجہ سے مار ڈالا تھا۔ جب جنگ شروع ہونے والی ہوئی اور دونوں میں مقابلہ کی ٹھہر گئی تو جناب شیثؑ نے وہ سفید حلہ زیب تن کیا جس کو خدا نے انہیں کے لیے اس موقع کے واسطے بھیجا تھا اور اس پہلی جنگ میں علم بردار ملائکہ تھے۔ ان کے علم کا پھریرہ سفید تھا۔ بالآخر ملائکہ نے قابیل کو بعد جنگ شدید گرفتار کر کے مقام عین الشمس میں پہونچا دیا۔ چنانچہ وہ وہیں مر گیا اور اس کی تمام اولاد شیث کی غلام قرار پائیں۔

ان اول حرب کانت بین بنی ادم ما کان بین شیث و قابیل و ذلک ان اللہ تعالیٰ اھدیٰ الیحلۃ بیضا و رفعت الملائکہ لہ رایۃ بیضا فسلسلت الملائکہ لقابیل وحملوہ الی عین الشمس و مات فیھا و صارت ذریتہ عبید الشیث۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی آدم میں سب سے پہلی جنگ شیث اور قابیل والی ہے اس جنگ میں خدا نے حضرت شیث کے لیے ایک سفید جنتی حلہ بھیجا تھا۔ اس جنگ میں ملائکہ سفید پھریرے والے رایت کو لیکر علمبرداری کرتے تھے (گھمسان کی جنگ کے بعد) ملائکہ نے قابیل کو گرفتار کر کے مقام عین الشمس میں مقید کر دیا۔ وہ وہیں فوت ہو گیا اور ساری ذریت قابیل حضرت شیث کی غلامی میں آگئی۔

بعض تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ علم کی ایجاد زمانہ قدیم کے مصری فرمان رواؤں نے کی ہے، اور زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا اچھا خاصہ رواج رہا۔

ہر قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ رایت ہوا کرتا تھا۔ جس کے نیچے بوقت نبرد آزمائی تمام قبیلہ کے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ پہلے پہل علم کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے ڈالی ہے۔

---

[1] مناقب شہر آشوب مازندرانی جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ بمبئی۔

وفی الخبر اول من اتخذ الرایات ابراهیم الخلیل۔ [1]

مروی ہے کہ سب سے پہلے علم کی ابتدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کی۔

صاحب تواریخ کا نقطۂ خیال اس مقام پر یہ ہے کہ قریش کا علم قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں رہا کرتا تھا پھر اس کے بعد بنی ہاشم کے ہاتھوں میں رہا کیا۔ جب جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور خدا نے ظلمت کدۂ عالم میں سراج منیر کو روشن کیا تو سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ہاشم میں مستقر کر کے اس علم کو حضرت علی علمبردار فوج اسلام کے سپرد فرما دیا۔ غزوۂ بدر و جنگ احد بلکہ ہر لڑائی میں وہ علم اسد اللہ ہی کے ہاتھوں میں رہا، جس کا رنگ سفید تھا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی متعدد حکومتیں قائم ہوئیں تو ان کے نشان بھی مختلف شکلوں اور رنگوں کے ہونے لگے۔ کسی کا سبز، کسی کا سرخ، کسی کا سفید، کسی کا سیاہ ہوتا تھا۔ مگر عباسیوں کا علم تو درکنار ان کی ساری وردی سیاہ تھی۔

ہر جنگ میں علم کے حامل حضرت علی ہی رہے، جنگ و امن میں لواء کے حامل عبدالدار تھے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو عنایت فرمایا، جنگ احد میں جب شہید ہو گئے تو رایت اور لواء دونوں کے حامل حضرت علی علیہ السلام قرار پائے۔

ابن البختری و سائر اھل السیر انه کانت تأیته قریش ولوایها جمیعا بیدی قصی بن کلاب ثم لم تزل الرایة فی یدی عبدالمطلب فلما بعث النبی اقرها فی بنی ھاشم و دفعها الی علی فی اول غزاة حملت فیها وھی و دان فلم تزل معه و کان الواء یومئذ فی عبدالدار فاعطاه ابی مصعب بن عمیر ستشهد یوم احد فاخذها النبی و دفعها الی علی علیه السلام فجمع یومئذ اله الرایة واللواء وھما

[1] مناقب شہر آشوب صفحہ ۱۵۵ جلد ۳ طبع بمبئی

ابیضتان۔[1]

ابن البختری اور جملہ اہل سیر کا اتفاق ہے کہ رایت قریش اور لواء سب کے سب قصی بن کلاب کے پاس تھا، پھر ہمیشہ عبد المطلب کے ہاتھوں میں رہنے لگا۔ جب جناب سرور کائنات مبعوث ہوئے تو آپ نے اس کو بنی ہاشم میں مستقر کر دیا اور سب سے پہلے پہل کی جنگ ودان میں علیؑ کے سپرد کیا پھر ہمیشہ انہیں کے پاس رہنے لگا۔ ہاں البتہ ان دنوں لواء عبدالدار کے پاس تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو دیا۔ جب وہ جنگ احد مین شہید ہوگئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو دیا۔ اب اس وقت رائت اور لواء دونوں کے حامل علیؑ بن ابی طالب قرار پائے اور ان دونوں کا رنگ سفید تھا۔

بظاہر رایت اس علم کو کہتے ہیں جو عام لشکر کے سردرار کے پاس ہو اور لواء اس کو کہتے ہیں جو کسی قبیلہ کا ہو، یہی سبب ہے کہ جنگ خیبر میں رایت ہی ان لوگوں کو دیا گیا تھا لواء نہ تھا اس لیے کہ وہاں ساری مملکت اسلام کا علم تھا۔ کسی مخصوص اور چھوٹے موٹے قبیلہ کا نہ تھا۔

غرضیکہ بعثت کے بعد علم بردار اسلام حضرت علی علیہ السلام رہے۔ پھر بوسائط وہ علم عباس بن علیؑ کے ہاتھوں آیا جس کا رنگ بظاہر دھانی تھا۔ مولانا سبط حسن قبلہ طاب ثراہ فرماتے ہیں۔

رایت عباسؑ کے پرچم سے بدلا رنگ آب
خضر آیا نہر کی پوشاک دھانی ہوگئی

---

[1] مناقب شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۱۵۹

عہدۂ علمبرداری کے جلالت شان کی ایک عظیم الشان نظیر

جبکہ اسلام بام ترقی پر جلوہ فگن تھا اور عروج کی منزلوں کو طے کر رہا تھا۔ سرور کائنات بھی تبلیغ دین اسلام میں بحکم رب جلیل سرگرم و منہمک تھے امیر المومنینؑ ایسا بہادر بھی مددگاری کے لیے تیار تھا جعفر بن ابی طالب بھی جاں نثاری کے لیے ہم رکاب تھے۔ ہر بزم و رزم میں ان کا وجود ضروری سمجھا جاتا تھا جنگ احد جس وقت عالم وقوع میں آئی تو اس میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ تھے جو کما حقہٗ اپنے سینہ کو نور حق سے منور کر کے اسلام کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے تھے۔ دوسرے وہ لوگ جو دامن اسلام سے نمائشی تمسک رکھنے والے تھے۔ جن میں ایمان کا زور ہر تھا وہ اپنی جزئیت سمیت کل ایمان کی معیت میں شمع رسالتؐ کے پروانے بنے ہوئے تھے اور جو اسلام کی جگہ آغوش کفر میں پرورش پانے کا اثر دل کے اندر رکھتے تھے وہ اپنی مرجعیت سمیت

وعد قتل محمد ﷺ فارجعوا الی ادیانکم. [1]

کی حشر انگیز اور فتنہ ریز صدا دے کر

ائمة یهتدون الی النار

کی تصدیق کر رہے تھے۔ بہر نوع اس گھمسان کی جنگ میں اللہ کا شیر اللہ کے رسول ﷺ کی حمایت میں ہمہ تن مصروف تھا، دست اطہر پر ضرب لگی، علم چھوٹا لوگوں نے لینا چاہا رسول ﷺ نے منع فرمایا۔

کسرت زند علی یوم احد و فی یده لواء رسول اللہ ﷺ فسقط اللواء من یده فتحاماه المسلمون ان یا خذوه فقال رسول

---

[1] تاریخ خمیس

اللہ علیہ وآلہ وسلم فجعوہ فی یدہ الشمال فانہ صاحب لواء فی الدنیا والآخرہ۔ [1]

جنگ احد میں علم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا حضرت علیؑ کی داہنی کلائی ٹوٹی، ہاتھ سے علم چھوٹا۔ لوگوں نے بڑھ کے اٹھانا چاہا رسولؐ نے فرمایا کہ تم انہیں کے بائیں ہاتھ میں دے دو (اس لیے اہلبیت انہیں میں منحصر ہے) اس لیے کہ یہی دنیا و آخرت میں میرے علم بردار ہیں۔ اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ علم بردار کے لیے، اہلبیت اور حفاظت علم بھی نہایت ہی ضرور ہے۔

حضرت علیؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تعلیم دینا کہ علم کو بائیں ہاتھ میں لے لو یہ بتاتا ہے کہ رزم گاہ میں جب علمبردار کا ایک ہاتھ کٹ جائے فوراً علم کو بائیں ہاتھ میں لے لے یہی اسباب تھے کہ جب جعفر طیار اور عباس علم دار کا ایک ہاتھ کٹا تھا تو علم کو فوراً بائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات کو واضح کر دیا کہ علم کو سرنگوں نہ ہونے دینا چاہیے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی پابند حکم رسول اللہ تھے، جب ان دونوں حضرات کا بایاں ہاتھ بھی قطع ہوا تو علم کو سینے سے لگا کر حفاظت کلیہ کا ثابت کر دیا۔ [2]

آپ کی چوتھی خصوصیت:

یہ بھی ہے کہ آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے ''افضل الشہداء'' جیسے ممتاز خطاب کا حامل قرار دیا یعنی جس طرح حضرت حمزہؑ اور فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام سید الشہداء تھے، اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام افضل الشہداء قرار پائے۔

ہمارے دعوے کا شاہد اعظم امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ کا وہ شعر ہے جو آپ نے

---

[1] مناقب شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ طبع بمبئی

[2] ابصار العین فی انصار الحسین صفحہ ۳۰ طبع نجف اشرف

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا۔

یا افضل الشهداء یا بن المرتضیٰ

صلی علیك الله کل او ان

ترجمہ:۔ اے افضل الشہداء عباس بن علی تم پر خدا ہر وقت نزول رحمت کرتا رہے۔[1]

آپ کی پانچویں خصوصیت:

یہ تھی کہ آپ کا لقب سقاء حرم تھا۔

و يلقب السقا لا انه استسقى الماء لاخيه الحسين عليه السلام يو الطف.[2]

آپ کا لقب سقاء حرم اس لیے تھا۔ کہ آپ نے اپنے چاہنے والے بھائی اور ان کے اطفال کے لیے کربلا میں پانی کے حصول میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

علامہ بسطامی تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے ذمہ امر تھا کہ جس صورت ہو سکے اطفال کو سیراب کریں۔

وقد رلاخيه العباس سقاية العطشان

امام حسینؑ نے بچوں کے سیراب کرنے کو حضرت عباس علیہ السلام کے ذمہ کر دیا تھا یہی تو سبب ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے حسین علیہ السلام اور اطفال حسین علیہ السلام کی پیاس بجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اگر کنواں کھودنے کا موقع آیا تو باوجود شدت عطش آپ نے بچوں کی آتش عطش بجھانے کیلیے کنواں کھودا، اگر نہر فرات سے پانی لانے کا اشارہ پایا تو فوراً

---

[1] شرح زیارت ناحیہ صفحہ ۲۳ طبع لکھنؤ

[2] عمدة الطالب مقتل عوالم صفحہ ۹۴، مناقب شہرآشوب جلد ۳ صفحہ ۹۰۷، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ

لینے گئے، سچ تو یہ ہے کہ طلب آب ہی میں آپ کے دونوں ہاتھ تک کاٹے گئے۔

وقطعوا ایدیه حسین استسقی الماء لعطاش نساء اهل الخیام. [1]

اہل حرم تک پانی پہونچانے ہی کے سلسلہ میں آپ کے دونوں ہاتھ دشمنوں نے کاٹ ڈالے۔

میرا سلام ہو سقائے سکینہؑ پر!

آپ کی چھٹی خصوصیت:

یہ تھی کہ آپ عابد شب زندہ دار تھے، آپ کی افق پیشانی پر آفتاب کی طرح ضوفشاں سجدہ کا نشان ہونا آپ کی عبادت کا شاہد اعظم ہے۔

کان بین عینیه اثر السجود لکثرہ عبادۃ الملك اعلام. [2]

یعنی کثرت عبادت کی سبب سے پیشانی پر سجدہ کا نمایاں نشان تھا۔

علامہ بسطامی طاب ثراہ لکھتے ہیں کہ تیر فداب میں بعض علماء اہل سنت سے مروی ہے، راوی کہتا ہے کہ جب سرہائے شہداء کوفہ کی طرف روانہ تھے میں ایک حسین شخص کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کی گردن میں ایک سر لٹکائے ہوئے ہے جس کے سجدہ کا نشان نورانی افشانی کر رہا ہے جب گھوڑا سرکشی کرتا ہے وہ سر زمین سے ٹکرا جاتا ہے، دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ سلطان العابدین حضرت علی علیہ السلام کے فرزند حضرت عباسؑ کا ہے، اس کی تفصیل آئندہ مذکور ہوگی۔

غرضیکہ یہی وہ خصوصیات تھے جنہوں نے حضرت عباسؑ کے قصر فضیلت میں چار

---

[1] تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۷۸ طبع ایران

[2] تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۷۵ طبع ایران

چاند لگا کر تمام شہداء سے ممتاز کر کے جنت میں پرواز کرنے کے لیے دو پر حاصل کروائے۔

شہدا کی اجمالی فضیلت:

دراصل شہداء کی فضیلت کو صفحۂ قرطاس پر بالتفصیل لانا بہت دشوار ہے، علامہ شیخ طریحی نے بسند معتبرہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ روایت کر کے لکھا ہے وہ پیش ہے۔

جناب سور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ للشھیں بے خسال شہید کے لیے سات خصلتیں ہیں، اول یہ کہ جب شہید راہ خدا تلواروں اور نیزوں کے زخم کھاتا ہے اور اس کے بدن سے خون کے قطرات نکلتے ہیں تو اس کے جملہ گناہان آئندہ و گزشتہ سب آب عفو و رحمت سے دھو دیے جاتے ہیں گویا گناہوں کا نامۂ اعمال سے دھونے کے لیے اس کا خون آب رحمت کا کام کرتا ہے ادھر اس کے بدن سے خون جاری ہوا ادھر خلاق عالم نے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیا جیسے بطن مادر سے اسی وقت پیدا ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ ادھر شہید نے زمین کا رخ کیا اور سطح ارض پر پہونچا ادھر اس کا سر حورالعین ایسی پاک و طاہر گود میں پہونچا کیا کہنا مدتوں تمنا کے بعد بھی اس کا سر حورالعین ایسی پاک و طاہر گود میں پہونچا کیا کہنا مدتوں تمنا کے بعد بھی لوگ ایسی نعمت سے محروم رہا کرتے ہیں، مگر اللہ رے منصب شہادت کہ اس نے دم کے دم میں دلی مراد حاصل کرادی۔

تیسرے موت کا چھلکتا جام پینے کے بعد ہی فوراً حیات جاوید سے ہم کنار ہو جاتا ہے اس کے بدن سے لباس حیات اترتے ہی قباء جنت بر میں نظر آنے لگتی ہے۔

چوتھے۔ درجۂ شہادت پر فائز ہوتے ہی جنت والے اس طرح اس کی خواہش کرتے ہیں جیسے کسی امام یا پیغمبر جلیل کی خواہش میں رہا کرتے تھے خازن بہشت ایک

دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور سب چاہتے ہیں کہ ہم ہی ان کو اپنے ہمراہ جنت میں لے جائیں۔

پانچویں۔شہید راہ خدا اپنی قیام گاہ کو جو جنت میں ملنے والی ہوتی ہے دنیا ہی میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لیتا ہے۔

چھٹے۔اس کی روح کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جس مقام پر چاہے وہیں قیام کرے حقیقتاً یہ بھی عجیب وغریب منصب ہے جو کہ شہید کے لیے ایک منفرد چیز ہے۔ورنہ اول تو لوگ جنت کی تمنا ہی میں مرجاتے ہیں مگر مشکل سے نصیب ہوتی ہے اور اگر نصیب بھی ہو جاتی ہے تو یہ اختیار ہرگز ہرگز نہیں کہ جس مقام پر چاہے رہے یہ خصوصیت صرف شہداء ہی کے لیے ہے۔

ساتویں یہ لوگ رحمت خدا کو اچھی طرح دیکھتے ہیں اور مرتبہ انبیاء اور شہداء کے لیے مخصوص ہے۔

علم بردار فوج حسینؑ کی جاں بازی کے کٹھن مواقع

حضرت عباسؑ نے چودہ برس اپنے پدر شفیق حضرت علیؑ اور چوبیس سال حضرت امام حسنؑ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ [1]

اس کے بعد فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ کی معیت میں زندگی کے لحات آغوش امامت کی پرورش میں گزارے یہاں تک کہ جب چونتیس برس کا سن آیا اور دلبند علیؑ وفاطمہؑ کے پاس کوفہ سے متعدد خطوط آئے اور فرزند رسول لخت جگر بتول علیہ السلام نے دل میں یہ ٹھان کر کہ سرزمین کوفہ پر چل کر کشب تبلیغ سے باغ اسلام کو سرسبز وشاداب بنائیں گے تو بوقت روانگی بنا بر اسرار الشہادت علامہ دربندی علیہ الرحمۃ آپ نے حضرت عباس علیہ السلام کو حکم

---

[1] ابصار العین صفحہ ۲۶

دیا کہ محمل سواری درست کرو، حضرت عباس علیہ السلام نے حسب الحکم سواریاں درست کر کے اہل بیت عصمت وطہارت کو نہایت اطمینان سے اونٹوں پر سوار کیا۔

امام حسینؑ کا یہ چھوٹا سا مگر عظیم الشان قافلہ کوفہ کے قصد سے روانہ ہوا دشوار گزار منازل کو طے کرتا اور سارے مراحل کو جھیلتا ہوا جارہا تھا اس وقت تک آپ کے دونوں بازو قوی اور مضبوط تھے یعنی قوت بازو حضرت عباسؑ ہم رکاب تھے اور حضرت مسلم بن عقیل جن کو آپ نے ثقتی من اھلبیتی کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ بقید حیات تھے، لیکن جب خبر شہادت جناب مسلم علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام نے سنی تو آپ کا ایک بازو کم زور ہو گیا اور کیوں نہ کم زور ہوتا جبکہ بھائی قوت بازو ہوتا ہے۔

بالآخر منزل شراف پر اس وقت پہنچے جب ماہ ستمبر کی آخری منزلیں گزر رہی تھیں۔ جس میں عرب کے اندر گرمی شباب پر ہوتی ہے۔[1]

وہاں لشکر نے بعد شب باشی پانی کی چھاگلیں بھر کر کوچ کیا تھوڑے منازل طے کرنے کے بعد ایک جاں باز نے دفعۃً تکبیر کہی لوگوں نے پوچھا، تکبیر کا کیا سبب ہے اس نے کہا کہ خرمے کی شاخیں نظر آرہی ہیں واقف کار اصحاب بولے ادھر نخلستان کہاں ہے جب سب نے بغور دیکھا تو نیزوں کی انیاں اور گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں، مشورہ کے بعد یہ لشکر منزل ذوحشب کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہونچ کر ہتھیار اتار دیے۔ سلاح جنگ رکھ دیے اتنے میں حر بن یزید ریاحی کا ایک ہزار پر مشتمل لشکر پہنچ گیا، لشکر امام علیہ السلام نے فوراً صف باندھ لی اور سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سارے لشکر کو پیاس سے بے تاب پا کر تاب ضبط نہ لا سکے فوراً حکم دیا کہ سارے لشکر کو سیراب کیا جائے۔

صاحب مقتل عوالم اور علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے کسی کا نام نہیں تحریر فرمایا کہ

---

[1] اسپرٹ آف اسلام مسٹر امیر علی صاحب۔

آنحضرت نے کس کو پانی پلانے کا حکم دیا۔ لیکن ان کی عبارت کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ آپ نے حضرت عباس علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور یہی قرین قیاس بھی ہے اس لیے کہ **قلد لاخیہ العباس سقایۃ العطشان** حضرت عباس علیہ السلام کا (عام پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لیے متعین کر دیا تھا۔ [1]

چنانچہ آپ نے بے نظیر سقائی فرمائی، جس کی تفصیل تاریخ کے صفحات پر جلی حرفوں سے لکھی ہوئی ہے۔

اب یہ امر قابل غور ہے کہ حر نے صرف راستہ روکا یا لجام فرس پر ہاتھ تک ڈال دیا، صاحب کنز العبادات لکھتے ہیں کہ حر نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی لیکن سچ تو یہ ہے کہ حر نے صرف حضرت کا راستہ روکا۔ [2]

میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ اگر حر نے لجام فرس پر ہاتھ ڈالا ہوتا تو حضرت عباس علیہ السلام **ثکلتک امک ما ترید** تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے کیا چاہتا ہے صرف یہ کہہ کر خاموش نہ ہو جاتے بلکہ خون کی ندیاں بہا دیتے چشم زدن میں حر کے تن پر سر نہ ہوتا۔

غرضکہ حضرت ابوالفضل العباسؑ گلستاں مدینہ لے کر سرزمین کربلا تک جتنے منازل گزرے سب میں شمع امام کے پروانہ بنے رہے۔

شبیرؑ نے طے منزل تسلیم و رضا کی
عباسؑ نے ہر خدمت شاہ شہدا کی

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۷۸

[2] ناسخ التواریخ طبع بمبئی، بحار الانوار طبع ایران

سرزمین کربلا پر حسینؑ وفاداروں کا ورود

حضرت امام حسینؑ کے وفاداروں کا چھوٹا سا لشکر جس میں مملکت وفا کے علم بردار حضرت عباسؑ بھی تھے، یوم چہار شنبہ یا پنجشنبہ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ وارد سرزمین کربلا ہوا۔

ثم نزل و ذلك يوم الخميس وهوا اليوم الثانی المحرم سنة احدی وستين من الهجرة. [1]

جب امام حسین علیہ السلام کے برزدم فرس نے قدم روکے تو آپ نے متحیرانہ چھ گھوڑے متواتر بدلے اور ہر چند کوشش فرمائی کہ قدم فرس کو جنبش ہو مگر دستِ موت نے گھوڑے کے قدم کو نہ بڑھنے دیا۔ ادھر گھوڑے کے قدم روکے ادھر حسینؑ کا دل مضطرب ہو کے آگے بڑھا۔ آپ نے تحیر خیز لہجہ میں پوچھا، ارے بھئی بتاؤ تو سہی اس زمین کو کیا کہتے ہیں۔

فقالوا تسمی کربلا قال انزلوا
وحطور حالی ان فیه منکیتی

لوگوں نے آب دیدہ ہو کے کہا۔ مولا اس زمین کو کربلا کہتے ہیں (یہ سنتے ہی) آپ نے فرمایا کہ اے وفادارو، اب یہیں اتر پڑو اور میرے پالان اتار لو، اس لیے کہ گلشن فاطمہؑ اسی جگہ دورِ خزاں کے سپرد ہوگا اور موت کی کھیتی لہلہائے گی۔

ففی هذه یا قوم قتلی و مصرعی
و فی هذا یا قوم تهتك و حرمتی

آہ یہی میرے پچھاڑے جانے اور قتل کیے جانے کی جگہ اور مقتل ہے اور یہیں میری ہتک حرمت کی جائے گی۔

[1] ارشاد مفید، تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۰۶، ناسخ التواریخ جلد ۲، ریاض الشہادتین، جلاء العیون وغیرہ۔

وی فی ھذہ العباس یقتل ظامیاً
ولم یخط من ماء الفلال بقط

اے دوستو! جہاں تمام سر بفلک مصائب کے پہاڑ مجھ پر ڈھائے جائیں گے، وہاں سب سے بڑی مصیبت یہ ہوگی کہ میرا قوت بازو لشکر کا محافظ سقاء حرم عباس بن علی اسی سرزمین پر تین دن کا بھوکا اور پیاسا اہل حرم کی پیاس بجھانے کے سلسلہ میں تلوار کا پانی پی کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دامن حیات گردان لے گا۔ [1]

آج امام حسین علیہ السلام اپنے چھوٹے سے لشکر سمیت اس سرزمین پر پہنچ گئے جس کی خبر حضرت علی علیہ السلام دے گئے تھے۔

نصر بن مزاحم بیان کرتے ہیں۔ کہ ہرثمہ بن سلیم جنگ صفین کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے ہم رکاب تھا۔ جب آپ سرزمین کربلا پر پہونچے تو آپ نے ایک مشت خاک کربلا اٹھا کر سونگھی اور فرمایا کہ اے زمین کربلا تو بڑی خوش نصیب ہے ایک جماعت تجھ پر قتل ہو کے بلا حساب جنت میں جائے گی۔ جب ہرثمہ واپس آیا اور اپنی زوجہ جرداء بنت شمیر سے جو دوستدار علی تھی بیان کیا اس نے اس قول کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ بیشک ہمارے مولا اور آقا نے صحیح فرمایا ہے، ہرثمہ نے طعناً کہا کہ جیسے علی کو علم غیب ہو عورت نے کہا ہمارے مولا جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔

قال فلما بعث عبید اللہ بن زیاد البعث الذی بعثت الی الحسین کنت فی خیل الذی بعث الیھم فلما انتھیت الی الحسین اصحابہ عرفت المنزل الذی نزلنا فیہ مع علی علیہ السلام والبقعہ التی رفع الیہ من تبعھا والقول الذی قالہ فکرھت مسیری فاقبلت

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ ایران

علی فرسی حتی وقف علی الحسین فسلمت علیه و حدثته بالذی سمعت من ابیه فی هذا المنزل فقال الحسین امعنا ام علیك قلت یا بن رسول الله لامعك ولا علیك ترکت ولدی وعیالی اخاف علیهم من ابن زیاد فقال الحسین فول هرباً حتی لاتری مقتلنا فوالذی نفس حسین بیده لایری الیوم مقتلنا احد ثم لا یعیننا الا دخل النار قال فاقبلت فی الارض اشد هرباً حتی خفی علی مقتلهم.[1]

ہرثمہ کہتا ہے کہ (جب وہ وقت آیا کہ) عبیداللہ بن زیاد نے قتل حسینؑ کے لیے لشکر بھیجے تو اس میں بھی تھا۔ جب امام حسینؑ اور ان کے لشکر تک پہونچا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں امیر المومنین علیؑ وارد ہوئے تھے اور آپ نے مٹی اٹھائی تھی اور آپ نے جو کچھ فرمایا تھا (وہ یاد آ گیا) تو میں نے حسینؑ سے مقابلہ کو بری نظر دیکھا لہٰذا گھوڑے پر سوار ہو کر امام حسینؑ کے پاس پہونچ کر میں نے سلام کیا اور صفین والی ساری واردات بیان کی آپ نے فرمایا کہ تو ہمارا دوست ہے یا دشمن میں نے کہا یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ میں دوست ہوں نہ دشمن میں نے ابن زیاد کے ڈر سے گھر بار چھوڑ دیا (تا کہ آپ سے جنگ نہ کروں) آپ نے فرمایا کہ اچھا یہاں سے بہت جلد چلا جا تا کہ ہم قتل ہوتے نہ دیکھے خدا کی قسم جو آج ہم کو قتل ہوتے دیکھے گا اور مدد نہ کرے گا وہ ضرور جہنم میں جائے گا (یہ سن کر) میں وہاں سے چشم زدن میں حدود کربلا سے باہر چلا گیا اور قتل حسینؑ سے بے خبر ہو گیا۔

اس عبارت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ قاتلان حسینؑ کئی وجوہ سے جہنم میں جائیں گے۔ ایک تو اس لیے کہ انہوں نے فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ اور ان

---

[1] منار الہدیٰ علامہ شیخ علی بحرانی صفحہ ۲۹۳ طبع بمبئی ۱۳۲۰ھ

کے اصحاب کو قتل کیا، دوسرے اس حیثیت سے کہ آپ مومن تھے قرآن کہتا ہے **من قتل مومناً متعمداً فجزائه جهنم** تیسرے اس لیے کہ امام حسین علیہ السلام کو مصیبت میں گھرا دیکھتے تھے اور مدد نہ کرتے تھے، بلکہ حملہ کرتے تھے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لشکر یزید بلکہ سارے کوفہ وشام والے جو دشمن تھے ضرور جہنم میں جائیں گے اس لیے کہ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ جو ہم کو آج کے دن قتل کی مصیبت میں دیکھے اور مدد نہ کرے وہ جہنم میں جائے گا اور وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جو قاتلان حسینؑ سے بے زاری نہیں کرتے۔

حسینی پیاسوں پر آبِ فرات کی بندش

دوسری کو خاص آلِ عبا داخل ہوئے
ساتویں سے ظالموں نے بند پانی کردیا

ساتویں محرم الحرام ۶۱ھ کو ابن زیاد ملعون کا حکم نامہ عمر سعد ملعون کے نام اس مضمون پر مشتمل کہ حسینؑ اور اطفال حسینؑ پر پانی بند کردیے پونچا پھر کیا تھا۔ ''حکم حاکم مرگ مفاجات'' حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر پانی بند کر کے ماہی بے آب کی طرح تڑپانا شروع کردیا۔ عمر سعد ملعون نے عمر بن حجاج کو پانچ سو خونخواروں کے ساتھ پہرہ کی صورت میں نہر فرات پر بٹھادیا۔ اور یہ تاکید کردی کہ چاہے کتے، سور، کافر پانی سے سیراب ہوں مگر ساقی کوثر کے چہیتے بیٹے کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دینا۔

کافر تلک پئیں تو نہ تم منع کیجیو
پر فاطمہؑ کے لال کو پانی نہ دیجیو

انصاف پرور ذرا اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ فرزند رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اسی قابل تھے کہ ان پر پانی بند کیا جائے اچھا ہم نے مانا کہ پانی بند

کرنے کا عمر سعد کو حکم ابن زیاد ملعون کی طرف سے نافذ ہوا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ پانی بھی بند کیا جائے اور ان پر طعنہ زنی بھی کی جائے۔ علامہ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ میں لکھتے ہیں کہ عمر بن حجاج نے پانی کی بندش کے بعد متمسخرانہ لہجہ میں یہ کہا تھا۔

یا حسین ؑ هذا الماء فلغ فیه الکلاب و تشرب منه الخنازیر اهل البوادوا لحیم والذایب ولا یذوقون منه والله قطرة حتی یذوق الحمیم فی نار الجحیم.

کہ اے حسین اس پانی کو کتے اور عراق کے جنگلی سور اور گدھے اور بھیڑیے پیتے ہیں اور دل ٹھنڈا کرتے ہیں مگر خدا کی قسم تم کو پانی کا مزہ چکھنے کے لیے بھی ایک قطرہ نہ ملے گا یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم کے گرم پانی سے سیراب ہو۔

امام ابو اسحاق افرائنی نے بھی نور العین فی مشہد الحسین کے صفحہ ۳۱ پر اسی قسم کی عبارت تحریر کی ہے۔ علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی امالی کے صفحہ ۸۲ طبع ایران ۱۲۸۳ھ میں تحریر فرمایا ہے کہ طلب آب پر فرزند ساقی کوثر حضرت امام حسین کو یہ جواب دیا گیا۔ اما ترون الی ماء الفرات یلوح کانه بطون الحیات اے حسین دیکھ رہے ہو کہ آب فرات سانپ کی طرح لہریں لے رہا ہے (مگر تم کو نہ ملے) تواریخ کے اوراق بتاتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن حصین ازدی نے اس لہجہ میں طعنہ زنی کی ہے کہ حضرت امام حسین نے جھنجھلا کر فرمادیا کہ اے میرے پالنے والے اس پر پیاس کو مسلط کر اور دامن مغفرت اس کی طرف سے کوتاہ کر دے۔

یا حسین الا تنظرون الی الماء کانه کبد السماء والله لا تذوقون منه قطرةً واحدة حتی تموتوا عطشا فقال الحسین اللهم

اقتله عطشاناً ولا تغفر له ابداً. [1]

اے حسین تم دیکھ رہے ہو کہ فرات کا پانی آسمانی سطح کی طرح کیسے چمک رہا ہے (مگر) خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہ دیں گے یہاں تک کہ مارے پیاس کے مرجاؤ گے امام حسینؑ نے (دورآگیں لہجہ میں) فرمایا خدایا اس کو پیاسا ہی قتل کرنا اور اس پر بارش رحمت وغفران کی ریزش نہ کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو پانی بند ہونے اور پیاسے رہنے کا اتنا صدمہ تھا جتنا ان الفاظ خشنہ کا صدمہ تھا یہی تو سبب ہے کہ آپ نے اس طعنہ زنی پر بددعا دی اور پانی بند کرنے پر بددعا نہیں دی حمید ابن مسلم کہتا ہے۔ کہ خدا کی قسم امام کی بددعا کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا کہ عبداللہ ابن حصین ملعون پیاسا ہی مرا۔ وہ فرط تشنگی سے چاروں طرف فریادیں کرتا پھرتا تھا۔ لوگ اس کو پیٹ بھر پانی پلا دیتے تھے مگر فوراً استفراغ ہوجایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ملعون فرزند ساقی کوثر حضرت امام حسین علیہ السلام کو نہر فرات سے ایک قطرہ پانی نہ دینے اور طعنہ زنی کرنے کی وجہ سے فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ [2]

حضرت عباس علیہ السلام کا کنواں کھودنا

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے پیاسے بچوں کی تشنہ لبی دیکھی اور پانی کے حصول کی کوئی سبیل نظر نہ آئی تو سقاء اہل حرم، قوت بازو حضرت عباسؑ کو بلا کر فرمایا کہ بھیا ان پیاسوں کے لیے کنواں کھودو، حضرت عباسؑ حسب الحکم چاہ کندنی میں مصروف ہو گئے۔

واشتد العطش بالحسين و اصحابه و اولاده فشكوا ذالك الى الحسين فدعى باخيه العباس وقال يا اخى اجمع اهل بيتك واحفر

---

[1] مقتل عوالم طبع ایران

[2] تاریخ کامل ابن اثیر تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۱۶، مقتل عوالم صفحہ ۷۸ طبع ایران

وائبرا ففعلوا ذالك فلم يجدوا فيها ماء فطموها.[1]

(یہ تو معلوم ہے کہ حسینؑ تمام اصحاب و اطفال سمیت بہت پیاسے تھے) بچوں نے بے پناہ پیاس کی سبب سے بے چینی کے عالم میں امام حسینؑ سے شکایت کی آپ نے حضرت عباسؑ کو بلا کر فرمایا کہ بھیا ذرا اہل بیت کو جمع کر کے کنواں تو کھودو حضرت عباسؑ نے فوراً کنواں کھودا مگر پانی برآمد نہ ہوا لہٰذا بند کر دیا۔

علامہ بسطامی لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ نے بہزار دقت کنواں کھودا ابھی پانی نہ نکلنے پایا تھا کہ عمر سعد کے خونخوار لشکر نے آ کر اس کو بند کر کے پانی کی رہی سہی امید منقطع کر دی۔

برادر خود را طلبید و فرمود اهلبیت خود را جمع و چاہے بکن حضرت عباس علیہ السلام چاہے کند عمر سعد چاہ پر کرد۔[2]

امام حسینؑ نے اپنے برابر کے بھائی حضرت عباسؑ کو بلا کر فرمایا کہ اہل حرم کو جمع کر کے کنواں کھودو، حضرت عباسؑ نے کنواں کھودنا شروع کیا۔ عمر سعد نے آ کر کنواں بند کر دیا۔

پیاس کی شدت، آفتاب کی تمازت، زمین کی حدت، ایسے سخت اور نازک وقت میں عراق جیسی سنگلاخ زمین میں کنواں کھودنا عباسؑ ہی کا کام تھا۔

حضرت عباس علیہ السلام کی پہلی سقائی

جب سیرابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی کنویں بھی بند کر دیے گئے اور پیاس کی شدت بھی بڑھتی ہی گئی تو جناب امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو بلا کر فرمایا یا اخی

---

[1] مقتل ابی مخنف صفحہ ۷۲ طبع بمبئی لہوف صفحہ ۳۶۹ طبع ایران

[2] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۳۲ طبع ایران

امض الی الفرات و اتینا الماء فقال سمعاً و طاعته. کہا ے بھیا عباس اب پیاس (بچوں کے) حدود تحمل سے بڑھ گئی ہے۔ ذرا فرات کی طرف جا کر پانی تو لاؤ (یہ سن کر) حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا بہتر ابھی ابھی لایا۔ حضرت عباس علیہ السلام کے کمر بستہ ہوتے ہی امام حسینؑ نے تیس سوار اور بیس پیدل آپ کے ہمراہ کر دیے بیس مشکیں بھی دے دیں۔ شیر بیشۂ شجاعت ان تمام جان نثار سعادت بندوں کو لیے ہوئے آدھی رات ہوتے ہوتے خیمۂ اہل حرم سے روانہ ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں لب فرات پہونچ کر دم لیا۔

عمر بن الحجاج جو پانی روکنے والوں میں سب سے پہلے مقرر ہوا تھا اور جس نے امام حسینؑ سے ایسی سخت کلامی کی تھی کہ حسینؑ کو رو دینا پڑا تھا (جو مذکور ہو چکا ہے) اسی ملعون نے باآواز بلند پکار کر کہا۔ کہ تم فرات پر اس وقت آنیوالے کون لوگ ہو اور اس وقت جبکہ پردۂ شب تار حائل ہے کیوں آئے ہو یہ سن کر ہلال بن نافع صحابی حسینؑ ڈانٹ کر بولے میں ہوں تیرا چچازاد بھائی ہلال بن نافع پیاسا ہو کے فرات سے سیراب ہونے آیا ہوں، عمر بن الحجاج نے کہا اچھا خوب جی بھر کے پانی پیو خدا مبارک کرے۔ ہلال بن نافع کہنے لگے اے ملعون تجھ پر وائے ہو کہ مجھے تو پانی پینے کی اجازت دیتا ہے اور حسینؑ فرزند رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع چھوٹے چھوٹے بچوں کے شدت عطش سے مرے جاتے ہیں۔ عمر بن حجاج نے کھلے منہ جواب دیا کہ جو کچھ تم کہتے ہو حقیقتہً سب سچ ہے لیکن ہم حکومت کی طرف سے اسی کام پر مامور ہیں کہ خیمۂ حسینؑ تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے۔ پھر اب ہم اس کی تعمیل کیے بغیر مان نہیں سکتے۔ یہ سننا تھا کہ ہلال بن نافع آگ بگولا ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ کہ اے سعادتمندو فرات میں داخل ہو کر اچھی طرح سیراب ہو لو اور تمام مشکیں بھی بھر لو، یہ سنتے ہی عمر بن الحجاج نے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی ادھر سے وہ لوگ آئے اور ادھر سے یہ لوگ بڑھے اور اس شب تار میں گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔

حضرت عباسؑ پر فرزند رسولؐ کے اعتماد کی ایک مثال

حضرت عباسؑ پر امام حسینؑ کو جتنا اعتماد تھا وہ صفحۂ تاریخ پر جلی لفظوں میں لکھا ہوا ہے۔ منجملہ ان مقامات کے ایک جگہ یہ بھی ہے کہ جب عمر سعد کو آپ نے رات کے تاریک پردہ میں بلا کر کلام کرنا چاہا تھا اور اس کے ہمراہ چالیس آدمی تھے تو ادھر سے صرف حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ تھے۔ [1]

محرم کی نویں کو حضرت عباس علیہ السلام نے کنواں کھودا

بعض روایات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ جب محرم الحرام کی نویں تاریخ کی رات کسی نہ کسی طرح طے ہوئی۔ آفتاب عالمتاب منازل شب کو طے رکتا ہوا منزل صبح کی طرف آہستہ آہستہ چلا یعنی صبح کی پھوٹتے پھوٹتے امام حسینؑ کے لشکر کا سارا پانی ختم ہو گیا۔ اہل بیت واصحاب پیاس کے دلسوز اور خشک دریا میں شناوری کرنے لگے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا تو مجبوراً خدمت سرکار میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ بادشاہ دین و دنیا، مالک تسنیم و کوثر حضرت امام حسینؑ نے اپنے برادر خورد حضرت عباسؑ کو حکم دیا کہ چند اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو تاکہ ان لوگوں کی نار آتش خاموش ہو سکے۔

چوں شب نہم محرم بپایاں رسید و سفیدہ صبح بر دمید در معسکر حسین علیه السلام آب تنگ یاب بود اہل بیت واصحاب سخت تشنه ندو شکایت بحضرت حسین علیه السلام آوردند۔ ابو عبداللہ برادر خود را طلب کرد و فرمود با چند تن از اصحاب چاہے حفر کنید باشد که آبے بر آورید دریں کرت بر فتند و چند که کاوش کردند آب نه

[1] مقتل عوالم صفحہ ۷۸، مجالس حسینیہ صفحہ ۱۱۶، تاریخ جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ طبع بمبئی

یافتند۔ [1]

جب نویں محرم کی رات تمام ہوئی، اور سفیدۂ صبح نمودار ہوا تو اس وقت حسینؑ کے اہل بیت و اصحاب بے پناہ شدت عطش میں مبتلا ہو کر امام حسینؑ کی خدمت میں شکایت گزیں ہوئے آنحضرت نے اپنے برادر حضرت عباسؑ کو بلا کر فرمایا کہ بھیا ذرا اصحاب کو جمع کر کے کنواں تو کھودو تا کہ پانی نکلے اور یہ تختی دور ہو (یہ سن کر) بہت کوشش کی مگر افسوس کہ پانی نہ نکلا۔

حضرت عباسؑ کے کنواں کھودنے کی خبر ابن زیاد تک پہونچنا

جب عمر بن الحجاج نے حضرت عباس علیہ السلام کی اس جرأت و ہمت کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ یہ وہ جری ہے کہ جب اور جس وقت چاہے گا فرات سے پانی لے لے گا۔ اور ہم لوگ منہ تکتے ہی رہ جائیں گے، فرات سے پانی چلا جائے گا اور میں ندامت سے پانی پانی ہوتا رہوں گا۔ لہٰذا عمر سعد سے اس بات کی خواہش کی کہ پہرہ اور مستحکم کر دیا جائے عمر سعد نے آٹھویں کی صبح ہوتے ہوتے چھ ہزار آدمیوں کا ہرہ فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ [2]

اور بعض روایات سے منکشف ہوتا ہے کہ عمر سعد نے آٹھ ہزار آدمیوں کا پہرہ سر فرات بٹھا دیا تا کہ سرکار حسینی کا کوئی جاں باز سپاہی ان پر کامیاب نہ ہو سکے اور حسینؑ کے خیمہ تک پانی نہ پہونچ سکے، وہ لوگ ننگی تلواریں لیے ہوئے نبرد آمائی کے لیے جان پر کھیلے ہوئے ٹہل رہے تھے اور صبح کی پو پھٹنے کے ساتھ ہی سے شام تک اور بعد غروب خورشید خاور سے تا صبح دریا پر طلایہ پھرتے رہتے تھے۔

ابن زیاد ملعون نے نہایت آزردگی اور جھلاہٹ میں عمر سعد کو یہ خط لکھا۔

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ بمبئی

[2] تحفہ حسینیہ علامہ بسطامی صفحہ ۱۱۳

اما بعد بلغنی ان الحسین یحفر دربار و یصیب الماء فیشرب بہا و اصحابہ فانظر اذا اورد لک کتابی فامنعھم من سفر الا بار ما استعت و ضیق علیہم ولا تدعھم یذوق الماء افعل بہم کما فعلوا بالزکی عثمان۔ [1]

اما بعد (اے عمر بن سعد) مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ حسینؑ بذریعہ (عباسؑ) کنواں کھود کر پانی نکالتے ہیں اور اصحاب سمیت (خوب پیتے ہیں) ذرا اس کی تحقیق کر اور میری اس کتاب (خط) کے پہونچتے ہی فوراً ان کو کنواں کھودنے سے روک دے اور پانی کے تمام راستوں کو بند کر دے اور دیکھ چھوڑ نہ دینا کہ پانی پی لیں اور تجھ پر (مامور ہونے کی حیثیت سے) فرض ہے کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کر جو انہوں نے زکی کے ساتھ کیا تھا۔

یہ ایسا حکم نامہ تھا کہ جو حقیقۃً اہل بیت حسینؑ کے لیے قتل نامہ سے کم نہ تھا انسداد آب میں اب تو تشدد کی کوئی حد نہ رہی جیسے جیسے نہر فرات پر پہرے پر پہرے بیٹھتے جاتے تھے، اسی طرح مایوسی آب کا دامن تھامے ہوئے حسینؑ کا دل بھی بیٹھتا جاتا تھا۔ پانی کے ملنے کی امید پر پیاس کا وہ دورہ ہوتا جاتا تھا۔ دریادل حسینؑ کے دل میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑتی جاتی تھی۔

حضرت عباسؑ کے لیے امن نامہ کی حصولی

جب ابن زیاد سعد سے اس امر کا خوف لاحق ہوا کہ وہ شاید حسینؑ سے ملا جا رہا ہے تو اس نے شمر ذی الجوشن ملعون کے پرزور اصرار پر ابن سعد کو قتل حسینؑ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے حکمی خط لکھا۔

---

[1] مقتل عوالم صفحہ ۷۸ مطبوعہ ایران، امالی الشیخ صدوق صفحہ ۸۲ طبع ایران ۱۳۰۰ھ

جب خط کو دائرہ تکمیل و اکمال تک پہونچا چکا اور اس کے روانہ کرنے پر کربستہ ہوگیا تو حضار دربار میں سے ایک شخص جریر بن عبداللہ نامی کھڑا ہوگیا، اور روئے سخن ابن زیاد کی طرف مبذول کر کے عرض پرواز ہوا۔

ایہا الامیر مراسخنیست اگر بفرمان روید بہ عرض رسانم ابن زیاد گفت بگوئے تا چه داری گفت علی بن ابی طالب گاہے که در کوفه سکون اختیار فرمود دختر عم مرا که ام البنین نام داشت بجباله نکاح خویش درآدرو چهار پسر متولد گشت نخستیں عبداللہ دوم جعفر سه دیگر عباس چهارم عثمان و ایں چهار تن عم زادگان من باشند اگر اجازت فرمائی ایشاں را منشوره رقم کنم و خط اماں فرستم و ایں بزرگ عطائیست که برمن کرده باشی ابن زیاد گفت ایشانرا اماں دادم صورت حال را رقم کن و بدیشاں فرست تا از ہول و ہرب آسانید، جریر بن عبداللہ المخلد ایں صورت را نامه کرد و غلام خویش را که عرفاں نام داشت طلب نمود و گفت بایدت که تعجیلے و تقریب بکربلا رفت و ایں نامه را بدست عبداللہ و عباس و جعفر و عثمان داده نگراں باش که جز ازیں چهار تن کس ازیں نامه آگاه نه شود پس عرفاں آں مکتوب را محفوظ داشت و شتاب زده طے طریق کرده به کربلا آمد۔ [1]

اے امیر مجھے ایک بات کہنی ہے اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔ ابن زیاد نے کہا کہہ ڈال، اس نے کہا کہ جب حضرت علی علیہ السلام بہ سلسلہ خلافت کوفہ میں سکوں اور قیام پذیر تھے۔ تو میری چچازاد بہن (ام البنین) سے نکاح کیا تھا۔ ان سے چار فرزند پیدا ہوئے۔

(۱) عبداللہ (۲) جعفر (۳) عباس (۴) عثمان (لہٰذا) یہ سب میرے بھانجے ہوئے اگر اجازت ہو تو ان کو امان نامہ کی حیثیت سے ایک خط لکھ دوں۔ اے امیر یہ تیر

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۱ طبع بمبئی تاریخ اعثم کوفی فارسی صفحہ ۳۶۷ مطبوعہ بمبئی

ایک ایسا احسان ہوگا جو قیامت تک میری گردن پر موجود رہے گا۔ ابن زیاد بولا کہ اچھا میں نے ان کو امان دی (اب تو) صورت حال کو لکھ دے، تاکہ (آتش) حرب وضرب سے ڈر جائیں۔ جریر ابن عبداللہ المخلد نے اس صورت حال اور ان کی امان لکھ کر اپنے غلام خاص کو جس کا عرفان نام تھا۔ بلایا اور کہا کہ تجھ کو لازم ہے کہ فوا چشم زدن میں کربلا جا کر اس نامہ کو عبداللہ، عباس، جعفر، عثمان کے ہاتھ میں دیدے مگر خبردار کوئی دوسرا نہ دیکھنے پائے عرفان بہ حفاظت اس کے امان نامے کو لے کر طے منازل کرتا ہوا سرزمین کربلا پر پہنچا۔

حضرت عباسؑ کے سامنے عرفان کا امان نامہ پیش کرنا اور اس کا نتیجہ

چوں کہ جریر اور حضرت عباسؑ ایک خاندان سے تھے اس لیے اس کے دل میں ان کی محبت موجود تھی اسی بناء پر ان کی نجات کے واسطے امان نامہ روانہ کیا تھا اور اپنے پرائیویٹ خط میں لکھ دیا تھا کہ اے عباسؑ (دیکھو زمانہ بہت پر آشوب ہو رہا ہے اور حفاظت جان و مال ہر انسان پر واجب ہے لہٰذا تم فوراً اپنے بھائی حسینؑ کا ساتھ چھوڑ کر ان سے وقتی حیثیت سے کنارہ کش ہو جاؤ میں یہ نہیں کہتا کہ تم مطلقاً امام حسینؑ کو چھوڑ دو مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ مصلحت وقت اور سیاست حاضرہ اس امر کی تعلیم بخش ہے تم فی الحال الگ ہو جاؤ پھر تھوڑے زمانہ کے بعد مل جانا، دیکھو اس وقت کا امان نامہ لاکھ روپیہ سے بالاتر ہے اور نعمت غیر مرقبہ کے مرادف ہے۔ غرضیکہ عرفان غلام جریر تمام تحریروں کو لیے ہوئے کربلا پہونچا۔

وآں نامہ را عباس و برادران آن داد ایشاں آں مکتوب را قرات

کردند و صورت حال را بدانستند عرفان را گفتند باز شو۔ و حال ما پسر عبداللہ المخلد را بگو کہ ما از کس نیستم کہ دست در ذیل اماں پسر زیاد زینم اماں خداوند قاہر غالب از بہر مانیکو تر ست۔ [1]

اور امان نامہ کو حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو دیا ان لوگوں نے جب اس کو پڑھا۔ اور تحریر کی تہ تک پہونچے تو فوراً تحریر چاک کر کے پھینک دی اور عرفان سے فرمایا کہ جا پلٹ جا، جریر بن عبداللہ جو میرا ماموں ہے اس سے کہنا کہ ہم لوگ ایسے چھچھورے نہیں کہ ابن زیاد کی بیعت کر کے اس کے امان پر ایمان لائیں ارے ہمارے لیے خدائے قہار کا دامن امن بہر حال کافی اور وافی ہے۔

عرفان نے جب حق آلود اور کھرا کھرا جواب سنا تو شمر کے پاس جا کر سارا واقعہ دہراتا ہوا کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہونچنے کے بعد اس سے کل واقعہ کی ترجمانی کردی۔ پسر عبداللہ نے جس وقت کل واقعہ سنا بہت دل تنگ اور رنجیدہ ہوا۔ اور کف افسوس ملتا رہا کہ اب عباسؑ اور ان کے تمام بھائی ہر گز بچ نہیں سکتے۔ کوئی گلا کٹا کر آرام کرے گا، کوئی موت کی میٹھی نیند سوئے گا اور کوئی بازو قلم کرا کر فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔ [2]

شمر کے پیغام امن پر حضرت عباسؑ کا دلیرانہ انکار

ارباب سیر و تواریخ اس امر سے غافل نہیں کہ شمر ملعون کے کربلا پہونچنے کی تاریخ میں شدید اختلاف ہے، ہم بنا بر تحقیق شیخ مفید علیہ الرحمہ صاحب ارشاد و علامہ بسطامی صاحب تحفۂ حسینیہ و علامہ عبداللہ ابن نور اللہ صاحب مقتل عوالم میں تحریر کرتے ہیں۔

دراصل شمر ذی الجوشن ملعون ابن ابن زیاد علیہ اللعن کا وہ نامہ لیے ہوئے جس

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳

[2] تاریخ اعثم کوفی فارسی صفحہ ۳۶۷ مطبوعہ بمبئی، ابصار العین فی انصار الحسین صفحہ ۲۷ طبع نجف اشرف

میں شہادت امام حسینؑ کے متعلق یہ لکھا ہوا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت کریں تو زندہ ہمارے پاس لے آؤ ورنہ ان پر حملہ کر اور برزدم تلواروں سے گردن کاٹ کر لاشوں کو مثلہ کردے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑا دے۔ الخ۔ [1]

(شمر) نویں محرم الحرام کی صبح کو وارد کربلا ہوا اور اس نامہ کو ابن سعد ملعون کے حوالے کر دیا۔

علامه مجلسی از شیخ مفید علیه الرحمه روایت کرده اس که شمر ملعون آں نامه را در روز پنجشنبه یا جمعه نهم محرم از برائے ابن سعد آورد۔ [2]

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے شیخ مفید علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے کہ شمر ذی الجوشن ملعون نے نامہ ابن زیاد کو ابن سعد کے پاس نویں محرم الحرام یوم پنجشنبہ یا جمعہ کو پہونچایا۔

اس ملعون نے جب نامہ کو پڑھا شمر سے کہنے لگا۔ خدا تجھے غارت کرے تیرے دل میں یوم ازل ہی سے صلح کا مادہ نہیں چاہتا حسینؑ سے صلح ہو جائے اور حسینؑ بیعت ابن زیاد کر لیں۔

شمر نے جواب دیا کہ اخبرنی ما انت بصانع. ہم کچھ نہیں جانتے تو کیا کرنا چاہتا ہے اگر تجھ سے نہیں ہو سکتا تو، تو الگ ہو جا میں سب کر لوں گا۔ غرضیکہ عمر سعد اور شمر نے باہم مکالمہ میں طے کر لیا کہ اب (ماموریہ) کو بجالانا چاہیے اور قتل حسینؑ میں سبقت کرنی چاہیے۔

چنانچہ شمر ملعون نے یہ سوچا کہ امام حسین علیہ السلام کے لشکر کا سارا زور صرف حضرت

---

[1] تاریخ طبری مقتل عوالم صفحہ ۷۸، تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۱۷ طبع ایران

[2] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۷۸ طبع ایران، مقتل عوالم صفحہ ۷۹ طبع ایران

عباسؑ کے دم سے ہے کسی نہ کسی صورت سے ان کو الگ کر لینا چاہیے تا کہ حسینؑ بالکل بے دست و پا ہو جائیں اور ہم کو قتل حسینؑ میں سہولت اور آسانی ہو جائے ورنہ عباسؑ یا ساجری اور بہادر موجود ہو اور ہم حسینؑ کو قتل کرلیں ناممکن ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے خصوصیات کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور اس بات کا کوشاں رہا کہ حضرت عباس علیہ السلام کو لشکر حسینؑ سے کسی نہ کسی حیلہ و بہانہ سے جدا کر لے۔ دراصل شمر ذی الجوشن سے قبیلہ بنی کلب سے تھا اور بنی کل کی ایک نمایا فرد سمجھا جاتا تھا اس کا وقار اس کے قبیلہ والوں میں کافی اثر رکھتا تھا۔

تو چونکہ شمر بنی کلب سے تھا اس لیے حضرت عباسؑ کے ساتھ خصوصیت کا اظہار کر رہا تھا اور اس بات کا ثبوت دینا چاہتا تھا کہ میں انہیں ہی کے خاندان سے ہوں اس لیے کہ ان لوگوں کی ماں ام البنین ہمارے خاندان سے ہیں، لہٰذا تم لوگوں کو میری بات ماننی چاہیے۔ یہی خیال دل میں لیے ہوئے اپنے لشکر سے نکل کر امام مظلوم کے قریب آ کر آواز دینے لگا کہ **این بنو اختنا عبداللہ و جعفر و عباس و عثمان**

ہمارے بھانجے عبداللہ جعفر و عباس و عثمان کہاں ہیں مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

حضرت عباسؑ کو امام حسینؑ کی تعلیم:

شمر کی یہ آواز امام حسینؑ کے گوش زد ہوئی آپ نے فوراً اپنے قوت بازو جناب عباسؑ علمبردار کو بلا کر فرمایا کہ اے عباسؑ اگرچہ یہ ملعون فاسق ترین مردم ہے مگر چونکہ قرابت داری کے سلسلہ میں تمہارا ماموں ہوتا ہے لہٰذا تم فوراً اس کا جواب دو۔

اجیبوہ ان کان فاسقا فانہ بعض اخوالکم۔ [1]

(ہاں ہاں) اس کا جواب تو ضرور دو اس لیے کہ باوجود فاسق ہونے کے تمہا ماموں تو ہے ذرا دیکھو تو سہی کیا کہتا ہے۔

---

[1] ناسخ التواریخ صفحہ ۳۲۱ تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۱۹

سرکار حسینؑ سے حکم پاتے ہی جناب عباسؑ جملہ بھائیوں سمیت شمر کی طرف بڑھے اور آپ نے نہایت تند لہجہ میں فرمایا کہ تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے اس نے جواب دیا کہ سنو تم ہماری بہن کے لڑکے ہو، ہماری بات مانو، تم لوگوں کے لیے ہر طرح کی امان ہے۔ تم چپکے سے ہمارے ساتھ ہو لو، امام حسینؑ کے ساتھ اپنی جان کو مفت میں ہلاکت کے سپرد نہ کرو، بڑا اچھا موقع ہے طوق بیعت یزید اپنے گلے میں ڈال کر نجات حاصل کرلو۔

شمر کے اس کلام نے ان حضرات کے تن بدن میں فوراً آگ لگا دی یہ سب جانباز اور وفادار غصہ کے مارے کانپنے لگے، ان بہادروں کی رگ میں شجاعت کا خون دوڑنے لگا۔ جذبۂ انتقام چڑھتے ہوئے دریا کی طرح بڑھنے لگا اور دریا دل دلوں میں غضب وغصہ کی لہر دوڑنے لگی، حضرت عباسؑ نے جن کی شجاعت کا اس وقت بھی لوگ لوہا مانے ہوئے تھے، فوراً بپھرے ہوئے شیر کی طرح سامنے آکر ارشاد فرمایا۔

تبت یدك ولعن ما جئت به من امانك یا عدو الله اتامرنا ان نترك اخانا وسیدنا الحسینؑ ابن فاطمه وتدخل فی طاعته اللعنا من اولاد اللعنا. [1]

خدا تیرے ہاتھ کاٹ دے ملعون تیرے امان پر لعنت ہے خدا کے دشمن (ارے) ہم کو حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے بھائی و سردار حسینؑ بن فاطمہ کو چھوڑ دیں اور ملعون کے بچے کی بیعت کریں۔

بعض کتابوں میں اس عبارت کے آخری ٹکڑے کی جگہ **فدخل فی طاعته الغنا واولاد الخناء** درج ہے۔

تبت یداك ولعن ما جئت به من امانك یا عدو الله اتامرنا ان

---

[1] تحفہ حسینیہ علامہ بسطامی صفحہ ۱۱۹، مقتل عوالم صفحہ ۷۹ مطبوعہ ایران

نترك اخانا وسيدنا الحسين ابن فاطمه وندخل فی طاعته للقفاء اولاد اللخناء تومننا وابن رسول الله لا امان له.[1]

(اے ملعون، تیرے ہاتھ ٹوٹیں) تجھ پر اور تیرے امان پر لعنت ہے (اے غدار) خدا کا دشمن (غضب خدا ہے) تو ہم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بھائی سردار آقا کی رفاقت سے ہاتھ اٹھالیں اور فاسق و فاجر ناز ادے کے ہاتھ پر ہاتھ ماردیں اور بیعت کا طوق گلے میں ڈال لیں (اللہ اکبر) ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کے لیے امان کی کوئی شکل نہیں ہے۔

دراصل حضرت عباس علمبردار کی یہ جرأت بھی معمولی نظر سے دیکھے جانے کے قابل نہیں۔

شمر اس وقت میں امان لے کر آیا۔ جب امام حسینؑ اور اصحاب کے گلوں پر خنجر پھیر دیے جانے کا یقین تھا۔ حضرت عباسؑ چوں کہ ناقد البصیرت تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بہر حال گردن کاٹی جائے گی شراب موت کا چھلکتا ہوا جام ضرور پینا پڑے گا۔ مگر بھائی کی رفاقت سے دست برداری قطعاً حرام تصور فرمائی اور شمر ذی الجوشن کی امان کو اس دلیری سے ٹھکرایا کہ بڑے بڑے بہادر اس سے عاجز نظر آتے ہیں۔

آپ نے احتجاج فرمایا کہ افسوس اے شمر خدا تجھے غارت کرے ارے ہم کو امان دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہماری جان بچ جائے اور فرزند رسولؐ لخت جگر بتولؑ کا کوئی خیال نہیں، ان کے چھوٹے چھوٹے بچے آواز العطش کا پے در پے وظیفہ پڑھ رہے ہیں اور پیاس کی پیہم صدائیں بلند کرتے ہیں، ان کی عورتیں خیموں کے اندر اضطراب کے ہاتھوں گرو ہو گئیں۔ ان کے دم بھر بھی چین نہیں وہ راتوں رات صرف رو کر بسر کر دیتی ہیں۔ ان کو

---

[1] ناسخ التواریخ صفحہ ۶ صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ ایران، تاریخ اعثم کوفی فارسی صفحہ ۳۶۷ مطبوعہ بمبئی

سونا نصیب نہیں ہوتا اور حسینؑ پر نیند حرام ہوگئی ہے اب تو ہی انصاف سے بتا کہ یہ امان دینے کا کون سا محل اور موقع ہے۔ خدا تجھے غارت کرے ذرا سوچ تو، تو کیا کہہ رہا ہے اور اس پر طرح یہ کہ میں یزید کی بیعت کروں، خدا اس پر قیامت تک لعنت کرتا ہے، ہمارے آقا و سردار حسینؑ صرف اسی وجہ سے جان دینا قبول فرماتے ہیں کہ فاسق و فاجر کی بیعت نہ کرنی پڑے اور میں بیعت کرلوں آں حضرت اپنا سر دے دینا آسان سمجھتے ہیں، مگر فاسق کی بیعت نہیں کرسکتے امام حسینؑ کے قول کی ترجمانی بزبان شاعر ملاحظہ ہو۔

اسے ضد ہے کہ اقرار لے اطاعت کا
مجھے یہ کد ہے کہ ہاتھوں میں اس کے ہاتھ نہ جائے
وہ کہہ رہا ہے کہ بیعت کرو ہلاک نہ ہو
مرا یہ قول ہے کہ سر جائے تو جائے ہاتھ نہ جائے

غرضیکہ جب شمر نے کھرا کھرا جواب سن لیا اور اپنی ناکامیابی پر ماتم کر چکا کے امان کی کامل رد ہوگئی کہ حضرت عباسؑ کو جدا کر کے حسینؑ کا زور گھٹا کر آسانی سے سر حاصل کرلوں گا، اور انعام و اکرام کا مستحق بن جاؤں گا تو اپنی عدم کامیابی پر نوحہ کرتا ہوا کی طرف شرمندگی کے عالم میں اس طرح بڑھا۔ کہ رب العزت اور جملہ ملائکہ اس پر لعنت کی بوچھاڑیں کر رہے تھے اور اس ملعون کے باطل ارادہ کو نہایت بری نظر سے دیکھ رہے تھے۔

حضرت عباسؑ اور شمر ملعون میں باہم قرابتداری کا انکشاف

بادی النظر معلوم ہوتا ہے کہ شمر ملعون حضرت عباسؑ کا ماموں تھا مگر حقیقت ایسی نہیں ہے وہ حضرت عباسؑ کا ہرگز حقیقی ماموں نہ تھا اور نہ حضرت عباسؑ وغیرہ اس کے بھانجے تھے بلکہ عرب کا دستور یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ماں کسی قبیلہ کی لڑکی ہوتی ہے تو پھر

اس عورت کو قبیلہ والے بہن بنا کر اس کے جملہ بیٹوں کو ابن اخت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ اس قبیلہ کے مردوں کو ماموں کی لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

قاعدہ عرب این است کہ ہمیں مادر شخصی از طائفہ او باشد اطلاق اخت اہل طائفہ بر آں زن می نمایند وہم چنین بر فرزندش ابن اخت و نیز اطلاق خال می نمایند برذکور طائفہ کہ مادر شخصی ازاں طائفہ است۔ [1]

عرب کا قاعدہ وطریقہ یہ ہے کہ جب کسی کی ماں کسی طائفہ اور قبیلہ سے ہوتی ہے تو پھر اس قبیلہ کی عورت پر بہن کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح اس کے لڑکوں پر بھانجے کا اطلاق ہوتا ہے۔اور اسی طرح ماموں کا اطلاق اس قبیلہ کے مردوں پر کرتے ہیں۔

یہی سبب تھا کہ جب شمر نے آ کر حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو آواز دی تھی تو اس میں (ابن اخت) کہا تھا اور جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا تھا کہ شمر کا جواب دو تو اس میں یہ لفظیں تھیں (فانہ بعض اخوالکم) اے عباسؑ شمر کا جواب دو اس لیے کہ تمہارا ماموں ہوتا ہے۔

اور تمام تاریخیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ حضرت عباسؑ کی مادر گرامی جناب ام البنین اسی قبیلہ کلاب سے تھیں، شمر جس کا چشم و چراغ سمجھا جاتا تھا، اسی سبب سے تو اس نے قاعدہ عرب کا لحاظ کرتے ہوئے (ابن اخت) کہا اور امام حسینؑ نے شمر کو حضرت عباسؑ کا ماموں فرمایا ورنہ کہا حضرت عباسؑ اور کہاں شمر ملعون کہاں نور کہاں، ظلمت کہاں حق اور کہاں باطل یعنی ان چیزوں کا فرق بالکل واضح ہے اور اس سے شمر کی حقیقت کا نقشہ پیش نظر آجاتا ہے۔اور حضرت عباسؑ کا شمر کے پیغام امن کے جواب میں لفظ (تبت یدا) فرمانا اس پر دال ہے کہ جو قرابتداری کی نوعیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابولہب میں تھی وہی

---

[1] تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۱۸ طبع ایران

مجھ سے اور شمر سے ہے اس نے حضرت رسولخداؐ کو (تبا لک) کہہ کر آزردہ کیا تھا اور اس نے آپ کو پیام امن دے کر آزردہ کیا ہے کہ جس کے پردہ میں بیعت یزید روپوش تھی اور نہ دامن مفارقت حسینؑ کا راز سربستہ موجود تھا حقیقۃً (تبت یدا) کا استعمال دخول جہنم جیسی زبردست بددعا سے کنایہ ہے۔ [1]

لشکر عمر سعد کا آنا اور امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ کو بھیجنا

جب شمر ملعون نے حقیقت آمیز جواب پیغام امن کے سلسلہ میں سن لیا اور اپنی عدم کامیابی پر گریہ کر چکا تو لشکر عمر سعد میں پہونچتے ہی اس نے عمر سعد ملعون سے پرزور خواہش کی کہ حسینؑ کے خیمہ پر اسی وقت حملہ کرنا چاہیے، یہ سنتا تھا کہ عمر سعد نے اپنے لشکر کو ان الفاظ سے مخاطب قرار دیا **یاخیل اللہ ارکبی و بالجنۃ ابشری** اے لشکر خدا اب ذرا سوار ہو کر (حسینؑ کو قتل کر کے) جنت کا پروانہ لے لو، یہ ایک ایسی آواز تھی کہ جملہ باطل پرستوں نے کان دھر کے سنا، اور سب نے جلد جلد وردیاں پہن کر گھوڑوں پر سوار ہو کے لجام فرس تھام لیا اور پیادوں نے بھی کامل تیاری کر کے حسینؑ کے خون بہانے پر کمر بستگی ظاہر کی **ثم زحف نحوھم بعد العصر** اور ہنگام عصر گزرتے یہ سارا لشکر خیمہ حسینؑ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ حسینؑ اپنے خیمہ کے در پر سر کو زانو کے درمیان ڈالے تشریف فرماتے کہ ناگاہ غنودگی طاری ہوگئی، لشکر کے شور و غوغا پر جناب زینب علیہا السلام نے آکر فرمایا۔ **یا اخی اما تسمع ھذہ الاصوات قد قربت**۔ اے بھیا حسینؑ لشکر آگیا یہ سنتا تھا کہ جناب امام حسینؑ نے فوراً خواب سے بیدار ہو کر فرمایا کہ اے بہن زینب ابھی میں نے جد امجد، پدر بزرگوار اور مادر گرامی، برادر معظم کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں **انک تروح الینا** اے حسینؑ اب تم عنقریب ہم تک پہونچو گے یہ سنتا تھا کہ زینبؑ نے منہ

---

[1] تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۵۲۳ سورہ تبت یدا مطبوعہ ایران

پیٹ لیا امام حسینؑ نے سمجھا بجھا کر خاموش کیا۔

اتنے میں حضرت عباسؑ جو شمع امامت کے پروانہ بنے رہتے تھے فرمایا یا اخی اتاك القوم اے بھیا حسین لشکر آ پہونچا یہ سنتے ہی امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے۔

وقال یا عباس ارکب بنفسك انت یا اخی تلقاهم و تقول لهم مابدألهم وتسئالهم عما جاء هم. [1]

اور فرمایا کہ اے بھیا عباسؑ ذرا سوار ہو کر تم ان کی طرف جا کر یہ دریافت کرو کہ آخر یہ لوگ اس وقت کیوں آئے ہیں اور ان کا کی مقصد ہے۔

حضرت عباس حکم امام حسینؑ پاتے ہی سمعاً وطاعۃً کہتے ہوئے بیس سواروں کے ہمراہ جن میں حضرت حبیب ابن مظاہر اور زہیر قین بھی تھے روانہ لشکر قوم غدار ہوئے ان کے قریب پہونچ کر باآواز بلند ڈانٹ کر پوچھا تم ادھر کیوں بڑھتے چلے آرہے ہو، ادھر سے جواب ملا کہ ہم عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے اس بات پر مامور ہیں کہ اگر امام حسینؑ اور ان کے اصحاب یزید کی بیعت کریں تو خیر ورنہ ابھی ابھی ان کے اوپر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت عباسؑ نے جب یہ سنا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا ابھی اسی مقام پر ٹھہرے رہو، ہم اپنے سرکار کے سامنے تمہارے قول کی ترجمانی کر دیں اور جو وہ جواب عنایت فرما دیں اس کی نقل تمہارے سامنے کر دیں، لشکر اسی مقام پر ٹھہرا رہا اور حضرت عباسؑ کے وہ سب ساتھی وہیں قیام فرما رہے اور ان کو نصیحتیں کرتے رہے مگر اردو کی مثل کی بنا پر "بھینس کے آگے بین باجے بھینس بیٹھ گئی وہ نصیحت کرتے رہے مگر ان بدنصیبوں نے کوئی توجہ نہ کی اور ان نصائح گہربار سے متاثر نہ ہوئے سچ ہے۔

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۱۹ و مقتل عوالم صفحہ ۸۰

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ
نہ رود میخ آہنی در سنگ

حضرت عباسؑ کے ذریعہ سے اک شب کی مہلت طلبی:

حضرت عباسؑ نے جملہ واقعات کی ترجمانی جناب امام حسینؑ کے سامنے کردی، امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا۔

یا اخی ارجع الیھم فلن استطعت ان توخرھم الیٰ غدوۃ و تدفعھم عنا العشیۃ لعلنا نصلی لربنا اللیلۃ و ندعوہ و نستغفرہ فھو یعلم انی احب الصلوٰۃ لہ و تلاوۃ کتابہ و کثرۃ الدعاء والاستغفار۔ [1]

اے بھیا عباسؑ ذرا تم پھر پلٹ کر جاؤ اور کوشش کرو کہ یہ لوگ کل تک اپنے ارادے کی تکمیل سے باز رہیں یعنی ان سے ایک شب کی مہلت مانگ لو، تا کہ ہم رات بھر اور عبادت میں بسر کرلیں، اس لیے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں تلاوت کلام مجید کثرت استغفار کو کتنا دوست رکھتا ہوں۔

حضرت عباس علیہ السلام اس پیغام کو لیے ہوئے لشکر اعدا تک پونچے، آپ نے ترجمانی شروع کردی، کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم کو ایک شب کی اور مہلت دے دو، تا کہ ہم خداوند عالم کی ایک رات اور عبادت کرلیں۔

حضرت عباسؑ نے جب امام حسینؑ کے اس قول کو اعدا کے سامنے پیش فرمایا تو عمر سعد، شمر سے مشورہ کرنے لگا، شمر نے جواب دیا کہ اگر میں اس وقت سردار ہوتا تو حسینؑ کو ہر

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۳۱ طبع ایران، مقتل عوالم صفحہ ۸۰، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۲ طبع بمبئی، اکسیر التواریخ صفحہ ۲۹

گز اجازت نہ دیتا، پھر عمر سعد متوجہ ہوا، عمر بن الحجاج زبیدی کی طرف تو اس نے کہا، کہ اے امیر اگر ایسے موقع پر ترک و دیلم کے قیدی بھی سوال کرتے تو میں اجازت دے دیتا چہ جائیکہ ذریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لہٰذا میرے خیال میں ان کو اجازت دیدے، عمر سعد نے اجازت دے دی اور ایک پیغامبر کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ:

انا قد اجلنا کم الی غد فان استسلمتم سرحنا بکم الی عبید اللہ بن زیاد فان ابیتم فلسنا تارکیکم بالصرف.[1]

اگر بیعت قبول کرلو گے تو پھر اس کے پاس جیتے جی لے چلیں گے اور اگر نہ قبول کرو گے، تو پھر تم کو ہم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ (یہ کہکر) پیامبر واپس گیا۔

اتنے مکالمے کے بعد دونوں لشکر والے اپنے فردگاہ کی طرف واپس ہوئے ادھر لشکر پلٹا، ادھر امام حسینؑ اور جملہ اصحاب وغیرہ شام ہوتے ہوتے خیمہ میں فروکش ہوئے جیسے جیسے دن ڈوبتا جاتا تھا حضرت امام حسین علیہ السلام کا دل بھی بیٹھتا جاتا تھا۔

دو دن گذر چکے تھے کہ پانی نہ پیا تھا، پیاس کی شدت دشمنوں کی کثرت زمین کی حدت، پیاسوں کے دل جلا کر خاک کر رہی تھی۔

عاشور کی رات جانبازی عباسؑ کا اک عظیم الشان مظاہرہ

قتل کی رات معمولی رات نہیں ہوتی، حسینؑ اور اہل بیت اور جملہ اصحاب کو اس بات کا یقین ہو جاتا کہ آج ہی رات کی صبح کو ہماری گردنیں کاٹی جائیں گی ہمارے چھوٹے بچے ہماری آنکھوں کے سامنے ذبح کر ڈالے جائیں گے، قیامت سے کم نہ تھا، اس پر طرہ یہ کہ پیاس کا کامل غلبہ تھا، تمام برتن خالی ہو چکے تھے مشکیں بھی اتنی خشک ہو گئی تھیں کہ پانی تو

---

[1] مقتل عوالم صفحہ ۸۰، تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۱۹، تاریخ اعثم کوفی

در کنار پانی کی رطوبت بھی ناپید تھی چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں کوزے لیے العطش کے دل سوز اور فلک شگاف نالے بلند کر رہے تھے، حضرت زینبؑ بچوں کے اضطراب کے سبب کبھی اٹھتی کبھی بیٹھتی تھیں، غرض کہ جملہ موجودین خیمہ اپنے اپنے عالم میں تھے۔

مگر امام حسینؑ کو صرف اس بات کی کامل فکر تھی، کہ ہمارے جاں باز اہل بیت و اصحاب کی جانیں تہہ دامن فنا روپوش نہ ہوں یہ لوگ آئے ہیں تو صرف میرے خون بہانے کے لیے آئے ہیں، اہل بیت اور اصحاب سے کوئی بحث نہیں یہ ایک ایسا خیال تھا کہ امام حسینؑ نے فوراً جملہ اصحاب کو جمع فرما کر ایک خطبہ فصیح و بلیغ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

امام بعد انه اعلم اصحابا او فی ولا خیرا من اصحابی ولا اهلبیت ابرو لا اوصل من اهبیتی جزاکم الله عنی خیراً الا و انی لا ظن یوما لنا من هئولاء. الا و انی قد اذنت لکم فانطلقوا جمیعا فی حل لیس علیکم حرج منی ولا ذما م هذااللیل قد غشیکم فاتخذوه جملا.[1]

(امام بعد) خدا کی قسم) میں اپنے اصحاب سے زیادہ کسی کے اصحاب کو بہتر اور باوفا نہیں پاتا اور نہ اپنے اہل بیت سے زیادہ شائستہ اور بہتر کسی کے اہبیت کو پاتا ہوں، خدا تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے (تم آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ مجھ ہی کو چاہتے ہیں) لہٰذا تم سے میں طوق بیعت اتارے لیتا ہوں، پردۂ شب حائل ہے جدھر اچھا سمجھو چلے جاؤ۔

چوں کہ حضرت امام حسینؑ کو علم تھا کہ یہ لوگ صرف میری جان کے خواہاں ہیں، اس لیے آپ نے لاکھ کوشش فرمائی اور ترکیبیں بتلائیں لیکن اس کو اصحاب جاں نثار کیونکر

---

[1] مقتل عوالم صفحہ ۸۰، تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۲۰، نور العین فی مشہد الحسین علامہ سفرائنی صفحہ ۳۰ طبع مصر، تاریخ جلد ۲، اعثم کوفی فارسی۔

نمان لیتے بالآخر یہ سنتے ہی حضرت عباسؑ اور اہلبیت اور جملہ اصحاب با وفا دست بستہ ہو کر بول اٹھے کہ حضور کیا فرماتے ہیں خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہم زندہ رہیں اور سرکار موجود نہ ہوں۔

فقال له اخوته و ابناء ه و بنوا اخيه وابنا عبدالله بن جعفر لم نفعل ذالك لنبقى بعدك لا ارانا الله ذالك ابدا. [1]

امام حسین علیہ السلام کا کلام سنتے ہی ان کے بھائی بیٹے بھتیجے اور عبداللہ بن جعفر کے دونوں بیٹے دست بستہ عرض کرنے لگے کہ حضور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ہم لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر اپنی جان بچالیں اور آپ کے بعد باقی رہیں خدا ایسا شرمناک اور جانسوز دن ہم لوگوں کو کبھی نہ دکھائے۔

اس جوابی کلام سے تمام جاں نثاروں خصوصاً حضرت عباسؑ کی بے مثل اور بے نظیر جاں بازی پر روشنی پڑتی ہے اس لیے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ پردۂ شب حائل ہے، میں طوق بیعت گردن سے اتارے لیتا ہوں، تم لوگ جدھر اچھا سمجھو چلے جاؤ تو سب سے پہلے قوت بازوئے شبیر حضرت عباس علیہ السلام کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کرنے لگے تھے، کہ خدا وہ دن نہ دکھائے کہ شمع امام خاموش اور پروانے حیات کے عالم میں ہوں، اے مولا ہماری یہی دعا ہے کہ خدا شمع امامت کو قیامت تک روشن رکھے اور ہم جیسے پروانوں کو اس پر نثار کرتا رہے۔

جب حضرت عباس علیہ السلام نے ابتدا فرمادی تو سارے جاں باز اسی کلام پر صاد کرنے لگے اور اپنی بے نظیر جاں بازی کا بین ثبوت دینے لگے۔

بداهم بهذا القول العباس بن على واتبعه الجماعة عليه

[1] مقتل عوالم صفحہ ۸۰، تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۲۰، مقتل عوالم صفحہ ۸۰

فتکلموا بمثله۔[1]

(حقیقۃً) حضرت عباس علیہ السلام نے سب سے پہلے جاں بازی کا ثبوت دیا، ان کے بعد پھر ساری جماعت نے ویسا ہی کہا۔ (اور تصدیق کی)

یہ عبارت فضیلت حضرت عباسؑ کے لیے کھلے ہوئے آئینہ کا کام کرتی ہے، در اصل حضرت عباس علیہ السلام کی جاں نثاری اور وفاداری معمولی دماغوں میں آنے کے قابل نہیں، سچ تو یہ ہے کہ۔ ع

عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

اصحاب حسینؑ کی شب باشی:

سلسلۂ کلام کے ختم ہوتے ہی امام حسین علیہ السلام نے سب کو خیمہ سے جنت کا معائنہ کرادیا پھر کیا تھا، تمام اصحاب نے رات بھر عبادت میں بسر کردی، کوئی رکوع کے عالم میں تھا۔ کوئی سجود میں، کوئی قیام میں، کوئی قعود میں اور ان کی تسبیح کی بھنبھناہٹ شہد کی مکھیوں ایسی تھی۔

فبات الحسین و اصحابه تلك الليلة ولهم دوی کدوی النحل ما بين راكع وساجد قائم وقاعد، الخ.[2]

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے یہ قیامت خیز رات اس طرح بسر کی کہ کوئی رکوع کے عالم میں تھا کوئی سجدہ کر رہا تھا، کوئی قائم تھا، کوئی قاعد تھا، اور ان کی تسبیح و تقدیس و تہلیل کی آواز اس طرح (خیمہ میں گونج رہی تھی) جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ (خانہ

---

[1] مقتل عوالم صفحہ ۸۰ تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۲۰ طبع ایران۔

[2] طبری، صلاح المنشاءتین، مقتل ابی مخنف، صواعق محرقہ، مقتل عوالم صفحہ ۸۰ مطبوعہ ایران، ینابیع المودۃ، روضۃ الصفا جلد ۳، اعثم کوفی وغیرہ وغیرہ

کعبہ میں) گونجے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی تاریخ شہادت میں اختلاف اور اس کی تحقیق

ناصیہ تواریخ پر غائر نظر ڈالنے والوں کے پیش نظر ہے کہ جہاں ہر امر میں اختلاف ہوا کرتے ہیں۔ وہاں قوت بازوئے امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں بھی شدید اختلاف ہے۔ بعض علماء رقم طراز ہیں کہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی شہادت شب عاشور ہی واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابواسحاق اسفرائنی امام اہل سنت لکھتے ہیں۔

فلما اصبح الله بالصباح رکبو القوم و رجعوا علی الحسین فتذکر اخاہ العباس وشفقه علیه. [1]

جب عاشور کی رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو دشمنان حسینؑ گھوڑوں پر سوار ہو کر آں حضرت پر پھٹ پڑے اس وقت آپ اپنے بھائی عباسؑ کی شفقت اور جاں بازی کو یاد کر کے بہت غمگین ہوئے۔

اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ کی شہادت روز عاشور سے پہلے ہوگئی ہے، حالانکہ یہ خلاف الاکثر ہے جمہور علماء اس کے مخالف ہیں سب کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ آپ روز عاشور شہید ہوئے۔ علامہ دربندی نے بھی اپنی کتاب اسرار الشہادت کے صفحہ ۳۲۳ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے علامہ اسفرائنی کی تائید نکلتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ علامہ اسفرائنی یا اور دیگر حضرات جو حضرت عباسؑ کی شہادت کے

---

[1] نور العین فی مشہد الحسین صفحہ ۴۲ طبع مصر

متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ آپ شب عاشور شہید ہوئے ہیں ان کو تسامح ہو گیا، بظاہر ان حضرات نے کتابوں کے دامن میں عباسؑ بن علیؑ کی شہادت سرسری نظر سے دیکھی ہوگی۔ مگر کامل طور سے یہ نہ سمجھ سکے ہوں گے۔ کہ یہ عباسؑ کون ہے عباسؑ ہیں آیا عباس الاکبر ہیں یا عباس الاصغر دراصل حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے دو صاحب زادے لفظ عباسؑ سے موسوم تھے، ایک کا اسم گرامی عباس الاکبر اور دوسرے کا نام نامی عباس الاصغر تھا کیا عجب ہے کہ عباس الاصغر شب عاشور جستجوئے آب میں نہر فرات پر تشریف لے گئے ہوں اور وہیں بجائے پانی شراب موت کا چھلکتا جام پی کر ہمیشہ کے لیے اپنی پیاس بجھالی ہو اور مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے ہوں ورنہ جن کتب تواریخ پر واقعات کربلا کی ترجمانی کا انحصار ہے، وہ صاف صاف گویا ہیں کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت یوم عاشور عالم وقوع میں آئی ہے۔

بعضی از علما رقم کردہ اند کہ عباس بن علی علیہ السلام در شب عاشور شہید شدہ اند و بیشتر از اہل سیر خبر شہادت آں حضرت را در روز عاشورہ نگاشتہ اند چوں از پسر ہائے امیر المومنین دو تن را عباس نام بود یکے را عباس الاکبر و آں دیگر را عباس الاصغر می نامیدند۔

(صرف) بعض علماء نے لکھا ہے کہ عباس بن علی علیہ السلام عاشورہ کی رات میں شہید ہوئے ہیں (لیکن) اکثر علماء (بلکہ دو چار کے علاوہ کل) نے یہی لکھا ہے، کہ آپ کی شہادت روز عاشورہ واقع ہوئی ہے (ان کو دھوکا محض اس لیے ہوا) کہ حضرت علی علیہ السلام کے دو لڑکوں کا نام عباس تھا ایک کا عباس الاکبر اور دوسرے کا نام عباس الاصغر۔

* نواند شد کہ عباس الاصغر در شب عاشور شہید شدہ باشد و عباس الاکبر روز عاشورہ، عباس الاصغر در شب عاشورہ بطلب آب

شناخت و سعادت شہادت یافت۔[1]

ہوسکتا ہے کہ عباس الاصغر شب عاشورہ ہی شہید ہوئے ہوں اور عباس الاکبر تو روز عاشور ہی شہید ہوئے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ عباس الاصغر شب عاشور پانی کے لیے گئے ہوں اور وہیں شہید ہو گئے ہوں۔

اس عبارت سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت کا یوم عاشور واقع ہونا صحیح ہے اور جو لوگ شب عاشورہ کے قائل ہیں یا تو وہ سراسر غلطی پر ہیں یا چشم ظاہر بین کے سامنے تسامح کا پردہ پڑ گیا غرض کہ ان کی تحقیق دامن صحت میں روپوش کرنے کے قابل نہیں۔

علامہ محمد بن ابی بکر الشبلی نے اپنی کتاب (المشرع الروی فی مناقب السادۃ الکرام ال ابی علوی) طبع مصر ۱۳۱۹ھ کے صفحہ ۷۴ پر حضرت امام حسینؑ کو عباس الاکبر تحریر فرمایا ہے، جس سے ناسخ التواریخ کی تائید رونما ہوتی ہے۔

طلوع صبح محشر تھی طلوعِ صبح عاشور

یہ تو ظاہر و واضح ہو چکا کہ شب عاشورہ کربلا والوں نے کس طرح کاٹی ہاں البتہ یہ کہنا ہے کہ رات بھر کے تھکے ہوئے مسافر کئی دن کی بھوک پیاس کو جھیلے ہوئے اپنی موت کا یقین کیے ہوئے شب باشی کر چکے تھے لیکن بے حد خوش و مسرور تھے۔

مگر کوئی انصاف پرور یہ بتائے کہ آخر عصمت پوش بیبیاں ایسے محل پر کس طرح خوشی کا اظہار کر سکتی تھیں، جب کہ یہ جانتی تھیں کہ آج ہمارا بھرا گھر خاک میں ملا دیا جائے گا۔

یہ چمن جو اس وقت نہایت ہی سرسبز و شاداب نظر آ رہا ہے وہ ابھی پلک جھپکتے ہی

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹ مطبوعہ بمبئی

خزاں کے ہاتھوں برباد ہوجائے گا ہمارے کڑیل جوان اصحاب و مددگار، بھائی، بھتیجے، بھانجے، سب کے سب دم میں برق دم تلواروں سے فنا کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے تو پھر، ہم کس راہ لگیں گے۔

حقیقۃً یہ ایسے خیالات تھے، کہ جن کے سبب سے سارے اہل بیت اپنی زندگی کو موت کا مرادف جانتے تھے، یہی سبب تھا کہ صبح کی پو پھٹتے ہی ان درد رسیدہ عورات کے دل ٹوٹ گئے، چہرے اتر گئے، آنکھوں کے سامنے موت کا ہولناک نقشہ آگیا، بربادی کا سامان پیش نظر معلوم ہونے لگا، قیامت کی تصویر نظروں میں کھیلنے لگی، رگ ہائے جسم میں خون کی جگہ اضطراب دوڑنے لگا، قصر تن سے سکون کی منزل لاکھوں میل دور ہوگئی اگر سچ پوچھیے تو وہ ایسا دن تھا، کہ در و دیوار سے حسرت برس رہی تھی، کربلا کے ذرات اڑ اڑ کے اپنی پریشانی کا ثبوت دے رہے تھے اور آسمان لرزہ براندام تھا۔ ع

هواليوم الذى اغبرت الارض كلها
رجوما عليهم ولسماء اقشعرت

(ہائے) عاشورہ کا وہ دن تھا کہ ساری زمین کربلا خاک اڑا رہی تھی اور آسمان تھر تھرا رہا تھا۔

مصائب ساعت كل من كان مسلما
ولكن عيون الفاجرين اقرت

اس دن کی مصیبتیں (خدا کی پناہ) سارے مسلمانوں کو رلا چھوڑتی ہیں، لیکن فاجر و فاسق کی آنکھیں اس دن ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ [1]

---

[1] تحفہ حسینیہ علامہ بسطامی طبع ایران

حضرت حر کی آمد اور ان کا شان دار استقبال

خواب دیکھنے کے بعد حضرت حر لشکر حسینی کی طرف متوجہ ہوئے امام حسینؑ نے بعض جاں بازوں کی طرف روئے سخن مبذول کر کے فرمایا کہ حر بن یزید ریاحی میری مدد کے لیے آ رہا ہے۔ ع

کوئی مظلوم پہ اب رحم نہیں کھاتا ہے
رن سے امداد کو شبیرؑ کی حر آتا ہے

لہٰذا اس کا شان دار استقبال کرو، دہن امامت سے حکمی الفاظ سنتے ہی جاں بازوں نے قدم بڑھائے اور حضرت حر کا بے نظیر استقبال کر کے خدمت فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ میں پہونچا دیا۔[1]

لشکر حسینی کی صف آرائی اور علم بردار کا انتخاب

چشم حق بین سے ناصیۂ تواریخ پر نظر حقیقت اثر کرنے والے جانتے ہیں کہ بادشاہ کونین حضرت امام حسینؑ کی جہاد کن بضاعت صرف بتیس سوار اور چالیس پیادوں پر مشتمل تھی۔

سلطان مملکت سیاست اسلامیہ مولانا مولی الکونین حضرت امام حسینؑ (یہ یقین کرتے ہوئے کہ ان خوں خواروں سے جاں بری محال ہے) اپنے چھوٹے سے لشکر کی صف آرائی کی طرف متوجہ ہوئے اور انتہائی سیاست اور فراست کے ساتھ مستحسن حیثیت لشکر کو مرتب فرمائی۔ سب سے پہلے سارے لشکر پر ایک مرتبہ سرسری نظر دوڑانے کے بعد انتخاب کی حیثیت سے جو جس منصب کا اہل تھا اس کو وہ عہدہ عنایت فرمایا، جناب زہیر قین کو میں

---

[1] تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۳۹ طبع ایران، نور العین فی مشہد الحسین صفحہ ۳۶ طبع مصر

ہمراہیوں سمیت میمنہ لشکر قرار دیا اور جناب حبیب ابن مظاہر کو بیس جان بازوں کے ہمراہ میسرہ پر متعین فرمایا، اور قلب لشکر عباس علیہ السلام کو قرار دے کر علم جنگ کا بھی حامل بنایا۔

ولما اصبح الحسین علیہ السلام جعل المیمنة لزهیر و المیسرة لحبیب واعطی الرایة اخاه العباس. [1]

جب عاشور کی صبح ہوئی تو امام حسینؑ نے میمنہ لشکر پر زہیر اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو مقرر کر کے اپنے بھائی عباس کو علم دے کر علمبردار بنایا۔

بے ساختہ بولے کہ لو بھائی مبارک
پیاسی ہے سکینہ تمہیں سقائی مبارک

اس کے بعد جناب زہیر نے علم اٹھایا اور لے کر حضرت عباسؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اے عباسؑ آج ہی جیسے دن کے لیے تمہارے والد حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے تمہاری پیدائش کی تمنا کی تھی، اور اپنے برادر حضرت عقیل سے فرمایا تھا کہ میں ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں جس کے خاندان میں شجاعت ہو تا کہ اس سے جو فرزند متولد ہو نہایت ہی شجاع و بہادر ہو اور کربلا کے چٹیل بے آب و گیاہ میدان میں میرے فرزند دلبند حسینؑ کی نہایت ہی بے جگری سے مدد کرے۔ اے عباسؑ ذرا کان دھر کے سن لو یہ وہی روز ہے۔ جس دن کے لیے حضرت علیؑ نے تمہاری تمنا کی تھی۔ لہٰذا آج کسی طرح لڑنے میں کوتاہی نہ کرنا اور نصرت امام حسینؑ سے ہرگز ہرگز پہلو تہی نہ کرنا، یہ سنتے ہی حضرت عباس علیہ السلام فرط شجاعت سے تھرا اٹھے اور بہادری کے جوش میں کانپتے ہوئے فرمایا، واللہ اکبر زہیر ایسے دن میں تم شجاعت کی بھڑکی دیتے ہو اچھا اے

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۰۸ طبع بمبئی، تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۲۸ طبع ایران، ابصار العین صفحہ ۲۹۰ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ

زہیر دیکھو آج میں ایسی شجاعت دکھاؤں گا کہ تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

اخذھا زھیر و اتی فجاءہ العباس بن علی علیہ السلام و قال یا بن امیر المومنین علیہ السلام ارید ان احدثك بحدیث و عتیہ فقال حدث فقد جلا وقت الحدیث۔

حدث ولا حرج علیك فانما تری لنا متواتر الاسناد فقال له اعلم یا ابالفضل ان اباك امیر المومنین علیہ السلام لما اردا ان یتزوج بامك ام البنین بعث الی اخیه عقیل و کان عارفا بانساب العرب فقال علیہ السلام یا اخی ارید منك ان تخطب لی امراۃ من ذوی البیوت والحسب والنسب ولشجاعة لکی اصیب منها ولدا یکون شجاعا و عضدا ینصر ولدی ھذا و اشار الی الحسین علیہ السلام لیوسیه فی طف کربلا وقد ادکرك ابوك لمثل ھذا الیوم فلا تقصر عن حلائل اخیك و عن خواتك قال فارلقد العباس تمطی فی رکابه ھتی قطعه وقال یا زھیر تسجعنی فی مثل ھذا الیوم واللہ لا رینك شیئا ماریته قط۔ [1]

جناب زہیر علم فوج لے کر حضرت عباس علیہ السلام کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ اے علی کے بہادر فرزند میں چاہتا ہوں کہ (اجازت ہو تو) تم سے آج وہ بات بیان کردوں جس کو مدت سے محفوظ کیے ہوں، فرمایا ہاں ہاں لگے ہاتھوں کہہ ڈالو (اس کے بعد یہ شعر پڑھا)۔

ترجمہ: کوئی حرج نہیں کہہ ڈالو (اچھی بات ہو یا بری) تم تو اس وقت راوی کی حیثیت رکھتے ہو۔

---

[1] اسرار الشہادت علامہ دربندی صفحہ ۳۱۹ طبع ایران ۱۲۷۹ھ

زہیر نے کہا۔ کہ اے عباسؑ تمہارے پدر بزرگوار حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جب تمہاری ماں ام البنین سے عقد کرنا چاہا تو حضرت عقیل نے جو انساب عرب سے واقف تھے، کہا تھا کہ بھائی میں تم سے یہ خواہش رکھتا ہوں کہ ایک ایسی عورت تلاش کر دو، جو اس خاندان کی ہو جو شریف النسب کریم الحسب ہوں، اور جس گھر میں شجاعت نے پرورش پائی ہو اور جس کی آغوش میں بہادری نے بسیرا لیا ہو تا کہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہو جو ہمارے اس فرزند حسینؑ کی نہایت بے جگری سے سرزمین کربلا پر مدد کرے۔

اے عباسؑ آج ہی جیسے حشر آگیں دن کے لیے تمہارے باپ نے تمہاری تمنا کی تھی، دیکھو آج اہل بیتؑ کی مدد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا (یہ سنتے ہی حضرت عباس فرط شجاعت سے کانپنے لگے اور اس زور سے انگڑائی لی، کہ رکابیں ٹوٹ کے رہ گئیں (فرمایا) اے زہیر آج جیسے کٹھن دن میں مجھے شجاعت دلاتے ہو، خدا کی قسم آج وہ شجاعت دکھاؤں گا، کہ تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

یہیں سے حضرت علی علیہ السلام کی سیاست اور فراست کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس کی شدید ضرورت تھی، کہ امام حسینؑ کا کوئی مددگار ہوتا اس لیے حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک یہی ہوتا رہا، حضرت آدمؑ کے ساتھ شیثؑ، نوحؑ کے ساتھ سامؑ، سلیمانؑ کے ساتھ آصف، موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ، ابراہیمؑ کے ساتھ اسمٰعیلؑ اور حضرت خاتم المرسلینؐ کے ساتھ اسد اللہ حضرت علیؑ تھے۔ اسی طرح اسلام کی آخری مہم سر کرنے کے لیے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حضرت عباسؑ کا ساتھ رہا۔ فاضل معاصر مولوی محمد احمدؒ صاحب منظر جونپوری کہتے ہیں۔

بازوؤں میں زور آیا اور طاقت ہوگئی
ان کے آنے سے قوی پشت امامت ہوگئی

غرض کہ اب اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو حضرت عباسؑ کا عہدۂ علم برداری امام

حسینؑ کے ہاتھوں سے پانا ان کی انتہائی قابلیت واہلیت پر دال ہے۔ یہی تو سبب ہے کہ زہیر کا خلقت کے راز کو منکشف کرتے ہوئے شجاعت دلانا حضرت عباسؑ کو سخت ناگوار تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی زبردست بہادر کی ہمت افزائی کی جائے، یہ فعل اس کے ناگوار خاطر ضرور ہوگا، خصوصاً اگر ایسا جری و بہادر ہو جس کے وجود پر حضرت علیؑ کو ناز رہا ہو اور جس کی موجودگی حضرت امام حسینؑ کے نزدیک ایک زبردست لشکر کے مرادف ہو تو پھر اس کو جرأت دلانا تحصیل حاصل کہے جانے کے مستحق نہیں تو کیا ہے اور ایسے معاملات میں اس جری و بہادر کو شجاعت پر ابھارنا اس کے لیے باعث رنج و تکلیف ضرور ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ جب زہیر نے علم دے کر حضرت عباسؑ کے سامنے آں کہ حضرت کے خلقت کی حکایت سبق ماضی کی طرح دہرائی تو بادشاہِ مملکت شجاعت کو یہ فعل ناگوار ہوا تھا، گویا آپ زبان حال سے فرما رہے تھے، کہ افسوس اے زہیر تم ایسے شخص کی ہمت افزائی کرتے ہو جس کی گھٹی میں شجاعت پڑی ہوئی ہے۔

ارے یہ وہ وقت نہیں ہے کہ تم ہم کو شجاعت دلاؤ، اس لیے کہ میں خود اپنی آنکھوں سے امام حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھ میں کوزے لیے ہوئے آواز العطش العطش بلند کر رہے ہیں۔ اے زہیر دیکھنا میں آج اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھاؤں گا جو تم نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو حضرت عباسؑ کو اس جلیل منصب کا ملنا معمولی حیثیت نہیں رکھتا یہ منصب ہے کہ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ سے حضرت علیؑ و حضرت جعفرؑ کو ملا تھا، آج وہی منصب دست امام حسینؑ سے حضرت عباس علیہ السلام نے پایا۔

منصب جو ملا حیدرؑ و جعفر کو نبی سے
ان کو وہ ملا آج حسینؑ ابن علیؑ سے

کربلا میں حضرت عباسؑ کے شہید بھائیوں کی تعداد

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ رزم گاہ کربلا میں حضرت عباسؑ کے سات بھائی شہید ہوئے ہیں۔ اول عبداللہ بن علی، دوسرے عثمان بن علی، تیسرے عمر بن علی، چوتھے جعفر بن علی، پانچویں محمد بن علی، چھٹے عبداللہ بن علی، حضرت عباس بن علی علیہم السلام۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن علیؑ نے بھی اسی جنگ میں شہادت پائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت سمیت آٹھ بھائیوں کی شہادت عالم وقوع میں آئی، ایک روایت کی بناء پر صرف پانچ بھائی شہید ہوئے۔ اول عباسؑ دوسرے جعفر تیسرے عثمان چوتھے محمد پانچویں عبداللہ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام وحضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ صرف چار بھائیوں نے شہادت پائی ہے جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ [1]

حضرت عباسؑ کا اپنے بھائیوں کو شہادت پر آمادہ کرنا

تواریخ کربلا شاہد ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام کی نظر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا جو قدر تی وقار تھا وہ کسی اور کی نظر میں نہ تھا وہ زبان حال سے کہا کرتے تھے کہ۔ ع

''بندوں میں حسین ایک، خدائی میں خدا ایک''

اور اس کے اسباب بظاہر یہی معلوم ہوتے ہیں کہ حضرت عباسؑ سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کی ذات کا کوئی عارف نہ تھا، حسین علیہ السلام وہ مرتبہ تھا کہ لوگ اس کی تہ تک نہ پہونچ سکے تھے، ہاں البتہ جتنے لوگ حسین علیہ السلام کی شخصیت سے فی الجملہ بھی واقف تھے، انہوں نے جام شہادت نوش ہی کر لیا اور بغیر جان دیئے ہوئے چین سے میٹھی نیند نہ سو سکے۔

---

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۲ طبع ایران

امام حسین علیہ السلام کی اعانت کے سلسلے میں جان، مال، بھائی، بھتیجے، لڑکے بالے سب کو فدا کر دیا اور حسینؑ پر قربان کر دینا فرض اور واجب سمجھتے تھے یہی سبب ہے کہ۔

لما رای العباس بن علیؑ کثرۃ القتلی فی اھل قال لاخوتہ لامہ وھم عبداللہ و جعفر و عثمان یا بنی امی تقدموا حتی ارکم قد نصیحتم اللہ ولرسولہ۔ [1]

جب حضرت عباسؑ بن علیؑ نے اپنے مقتولین کی کثرت ملاحظہ فرمائی تو فوراً اپنے مادری بھائی عبداللہ، جعفر، عثمان سے فرمایا کہ ذرا تم سامنے تو آؤ، میں تمہیں دیکھوں تو سہی، (اے بھائیو) آج میں تم کو خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے نصیحت کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ دیکھو آج جنگ کرنے میں کوتاہی نہ کرنا حسین کی مدد میں اپنی جان شیریں کو عزیز نہ رکھنا جس طرح ممکن ہو سکے۔ حسینؑ کی محبت میں مو کا چھلکتا جام پی کر ہمیشہ کے لیے سرشار ہو جاؤ، حسین معمولی شخصیت کے انسان نہیں۔ حسین رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند علی بن ابی طالبؑ کے نور نظر فاطمہ بنت رسول اللہؐ کے لخت جگر ہیں، اے بھائیو! ان کی مواسات اور ان کی اعانت و مدد کو واجب و فرض سمجھو۔ بس اسی سے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی ہو سکتی ہے ان کی مدد ہی کے دامن میں خوشنودی خدا رسولؐ کا راز مضمر ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے دہن اقدس سے ابھی یہ کلمات پورے طور سے اد ہوئے تھے، کہ تمام جاں باز بھائیوں نے سمعاً و طاعۃً کہتے ہوئے نہایت ہی ٹھنڈے د سے حضرت عباسؑ کے کلام کا استقبال کرتے ہوئے عرض کی کہ ہم لوگ خون میں اچھی طر ڈوب جائیں، اے بھیا! ہم حسینؑ کی شخصیت سے واقف ہیں۔ ہم جان توڑ ان کی

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۶۲ طبع ایران، مجالس المتقین علامہ برغانی صفحہ ۲ طبع ایران ۱۲۶۲ھ

کرنے میں کوشش کریں گے اور نہایت سرخروئی کے ساتھ اپنے باپ سے ملاقات کریں گے۔ [1]

حضرت عباسؑ کا بھائیوں سے باپ کی وصیت بیان کرنا:

کتاب روضۃ الحسینیہ میں مسطور ہے کہ حضرت عباسؑ نے مقتولین کی کثرت دیکھنے کے بعد اپنے بھائیوں کو بلا کر فرمایا کہ اے بھائیو! تم سے میں اپنے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالبؑ کی وصیت بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ تم لوگ اچھی طرح جان لو کہ حسینؑ کس مرتبہ کے انسان ہیں اور ان کی قدر ومنزلت خدا اور رسولؐ کے نزدیک کتنی ہے "سنو" جب جنگ صفین ہو رہی تھی اور لڑائی اپنی شباب کی منزلوں کو طے کر رہی تھی۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی، نیزوں کے وار برابر چل رہے تھے۔ اس وقت پدر بزرگوار نے حنفیہ کو بلا کر فرمایا کہ بیٹا میمنہ لشکر معاویہ پر حملہ کرو۔ محمد حنفیہ نے تیروں کو اپنے سینے پر روکتے ہوئے دلیرانہ حملہ کیا جب لوٹ کر آئے تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بیٹا اب میسرہ لشکر پر حملہ آور ہو یہ سنتے ہی محمد حنفیہ نے سر جھکا کر عرض کی بابا جان آپ حسینؑ کو کیوں نہیں بھیجتے یہ سننا تھا کہ پدر بزرگوار کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا آپؑ نے فرمایا کہ بیٹا! تم میرے فرزند ہو، تم پر میرا پورا پورا اختیار ہے اور حسینؑ ابن رسول اللہؐ ہیں۔

میں ان کو کیوں کر بھیجوں، اس کے بعد فرمایا۔ کہ بیٹا محمد حنفیہ ہمارے فرزندوں میں سے وہ فرزند زیادہ خوش نصیب ہے جو دشت کربلا میں ہمرکاب حسینؑ مظلوم ہو کر اپنی جان دیدے۔ انتہٰی

یہ کہہ کر حضرت عباسؑ نے ایک آہ جگر سوز کھینچی اور فرمایا کہ اے بھائیو! یہ وہی روز ہے جس دن کے لیے بابا جان نے مدد کے واسطے فرمایا۔ دیکھو، آج حسینؑ کی مدد کرنے میں

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۶۴ و ۱۷۸ طبع ایران۔

ہم لوگوں کو دریغ نہ کرنا چاہیے اور حسینؑ کے روبرو اپنے خون میں لوٹنا چاہیے۔ تاکہ خدا اور رسولؐ خوش ہوں اور ہم لوگ اپنے نصیبہ پر فخر و مباہات کریں یہ سنتے ہی تمام بھائیوں نے اپنے کو وقف اعانت حسینؑ کر دیا اور اس طرح جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ کتب تواریخ نے ان کا کارناموں کو اپنے دل کے اندر جگہ دے کر باقیات الصالحات کی حیثیت سے قائم رکھا۔

حضرت عباس علیہ السلام کے بھائی عبداللہ کا تذکرہ

آپ کی عمر شریف:

حضرت عباس علیہ السلام کے آٹھ سال بعد آپ پیدا ہوئے اپنے باپ حضرت علی بن ابی طالبؑ کی ہمراہی میں ۶ سال تک زندگی بسر کی اور اپنے بھائی حضرت امام حسنؑ کے ساتھ سولہ سال تک موجود رہے اور پچیس سال تک حضرت امام حسینؑ کی معیت میں بسر اوقات کی اور شرف ہم نشینی سے مشرف رہے اور حقیقۃً آپ کی یہی عمر ہے۔

ولد بعد اخیه بنحو ثمان سنین و امه فاطمة ام البنین و بقی مع ابیه ست سنین و مع اخیه الحسن ست عشرة ونه و مع اخیه الحسین خمسا و عشرین سنة و ذالك مدة عمره. [1]

اپنے بھائی (عباس) کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئے، ماں فاطمہ ام البنین تھیں پدر بزرگوار کے ساتھ چھ سال اور امام حسنؑ کے ساتھ سولہ سال اور امام حسینؑ کے ساتھ پچیس سال تک زندگی بسر کی (یعنی) آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔

[1] ابصار العین فی انصار الحسین صفحہ ۳۴ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ

آپ کا میدان میں جانا:

حضرت عباس علیہ السلام کے اس فرمانے پر کہ امام حسینؑ کی مدد جس طرح ممکن ہو سکے کرو، جناب عبداللہ تیار ہو کر میدان کی طرف روانہ ہوئے اور اس طرح جاں بازی اور سر فروشی سے کام لیا کہ سارے دیکھنے والے عش عش کرنے لگے۔

قال اھل السیر انه لما قتل اصحاب الحسین علیہ السلام و جملة من اھلبیته دعا العباس اخوة الاکبر و قال لھم تقدموا فاول من دعاہ عبد الله اخوه لامه و ابیه فقال تقدم یا اخی حتی اراك قتیلاً و احتسبك فانه لا ولد لك فتقدم بین یدیه وجعل یضرب بسیفه قدما و یجول فیھم.[1]

ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جب سارے اصحاب حسینؑ اور (بعض) اہل بیت شہید ہو چکے تو حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اس ترتیب سے بلانا شروع کیا، کہ پہلے بڑے اس کے بعد چھوٹے اور ان سب سے فرمایا کہ میدان میں جا کر اپنی جانبازی کا ثبوت دو اور سب سے پہلے جس کو بلایا وہ عبداللہ تھے ان سے فرمایا کہ بھائی ذرا بڑھ کے اس طرح لڑو کہ میں تمہیں مقتول دیکھ لوں اور تمہارے لیے اس سعادت (شہادت) کا ذخیرہ جمع کر لوں اس لی کے تم لاولد ہو یہ سنتے ہی عبداللہ سر میدان پہونچ کر برق دم تلوار سے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے لگے اور اس کے اندر اچھی طرح جولاں رہے۔

عبداللہ کا رجز:

آپ میدان میں پہونچتے ہی اس شد و مد سے حملہ آور ہوئے کہ سارا رن کانپ

---

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ طبع ایران، ابصار العین صفحہ ۳۲

اٹھا، اس کے بعد ان لفظوں میں رجز خوانی فرمائی۔

انا بن ذی النجدة والافضال
ذاك علی الخیر فی الافعال

اے دشمنوں ذرا کان دھر کے سنو، میں ایک بہادر اور صاحب کرم و جود کا فرزند ہوں (تم سمجھے وہ کون ہے) وہ علی بن ابی طالبؑ ہے، جن کے سارے افعال نہایت پسندیدہ اور نیک ہیں۔

سیف رسول اللہ ذوی النکال
فی کل قوم ظاھر الافعال

وہ رسول اللہؐ کی انتقام آزما شمشیر برہنہ ہیں اور ان کے افعال روز روشن کی طرح سارے اقوام پر ضوافگن ہیں۔ [1]

عبداللہ کا قاتل:

رجز خوانی کے بعد جناب عبداللہ نے بے پناہ قتال کیا اور سیکڑوں دشمنان حسینؑ کو تیغ آبدار سے شربت ناگوار پلا کر آرام کی نیند سلا دیا، یہاں تک کہ ہانی بن ثبیث خضرمی مقابل میں آ کر جنگ آزما ہوا ان دونوں میں عرصۂ دراز تک رد و بدل ہوتی رہی۔ **فمشی علی ھانی بن ثبیث الخضرمی فضربه علی راسه فقتله۔** ناگاہ ہانی ملعون کی ایک ضرب شدید سے ملک الموت کو لبیک کہتے ہوئے خدمت رسول اللہؐ میں پہنچ گئے۔ [2]

---

[1] نورالعین صفحہ ۳۰۳، تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۶۲، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷

[2] ابصارالعین صفحہ ۲۲ طبع نجف اشرف، تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ طبع ایران، مجالس المتقین علامہ بعانی صفحہ ۲۷ طبع ایران ۱۲۶۳ھ، تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۷ طبع مصر

حضرت عباسؑ کے دوسرے بھائی عثمان کا ذکر

آپ کی عمر شریف:

جناب عبداللہ بن علیؑ کی خلقت کے دو سال بعد آپ پیدا ہوئے آپ کی بھی ماں جناب ام البنین تھیں چار برس تک حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ زندگی کے لمحات گزارے اور جناب امام حسنؑ کے ساتھ چودہ برس تک رہے اور اپنے برادر شفیق امام سیوم حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں تئیس برس تک رہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی عمر مبارک اور سن شریف وقت شہادت ۲۳ برس کا تھا۔

ولد بعد اخیه عبدالله بنحو سنتین وامه ام البنین وبقی مع ابیه لحوار بع سنتین ومع اخیه الحسن نحوار بع عشر سنة و اخیه الحسن نحوار بع عشر سنة و خیه الحسین ثلثا و عشرین سنة و ذالك مدة عمره.[1]

علامہ مجلسی وصاحب ناسخ وعلامہ برقانی نے آپ کی عمر ۲۱ سال تحریر فرمائی ہے

آپ کی وجہ تسمیہ:

آپ کا اسم گرامی عثمان حضرت علیؑ نے رکھا تھا جن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سمیته باسم اخی عثمان بن مظعون. میں نے اس کا نام عثمان اپنے بھائی عثمان بن مظعون کی یاد میں رکھا ہے۔[2]

---

[1] ابصار العین صفحہ ۴۴ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ

[2] مقتل عوالم صفحہ ۹۳ طبع ایران تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۵۳ طبع ایران

آپ کی رجز خوانی:

حضرت عباسؑ بن علی جناب عبداللہ کے قتل ہونے کے بعد فوراً جناب عثمان بن علی کو طلب فرما کر گہر ریز ہوئے بھائی اب مدد حسینؑ کے لیے میدان کی طرف جا کر جنگ آزمائی کرو اور اتنا لڑو کہ میں تمہیں مقتول دیکھ لوں۔

یہ سنتے ہی آپ نے اپنا رخ میدان کی طرف موڑ دیا۔ اور جنگ گاہ میں جاتے ہی ان لفظوں میں رجز خوانی شروع کی۔

انی انا العثمان ذو المفاخر
شیخی علیؑ ذو الفعال الظاهر

اے دشمنانِ حسینؑ تم کو معلوم ہو کہ میں معمولی حیثیت کا انسان ہوں، میں صاحب مفاخر عثمان ہوں میرا بزرگ و آقا میرے (باپ) علیؑ ہیں۔ جن کے کارہائے نمایاں ناصیۂ کائنات پر ضوافگن ہیں۔

وابن عم للرسول الطاهر
اخی حسین خیرة الا خائر

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طیب و طاہر کا ابن عم ہے (اور تم کو یہ بھی خبر ہے) کہ میرا بھائی وہ حسینؑ ہے جو لاکھ چنے ہوئے (بھائیوں) میں ایک ہے یعنی۔ ع۔

بندوں میں حسین ایک خدائی میں خدا ایک

و سید الکبار والا صاغر
بعد الرسول والولی الناصر

وہ حسینؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولی اللہ علیہ السلام کے بعد سارے چھوٹے اور بڑے

سب کے سردار ہیں۔ [1]

آپ کا قاتل:

آپ جنگ کرنے میں مشغول تھے

فرماه خولی بن یزید الاصبحی بسهم فاوهطه حتی سقط لجنبيه فجائه رجل من بنی ابان بن دارم فقتله واحتز راسه.

کہ ناگاہ خولی بن یزید اصبحی نے ایک ایسا تیر مارا جس نے انہیں بالکل کم زور کر دیا اور آپ ایک پہلو گرے اتنے میں بنی ابان بن دارم کا ایک شخص آیا اور اس نے مردہ کر کے سر کاٹ لیا۔ [2]

حضرت عباسؑ کے تیسرے بھائی جعفر کا تذکرہ

آپ کا سن مبارک:

عثمان بن علیؑ کے دو سال بعد بطن جناب ام البنین سے جعفر بن علی پیدا ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ دو برس اور اپنے بھائی حسنؑ کے ساتھ بارہ سال اور جناب امام حسینؑ کے ساتھ ۲۱ برس تک زندگی بسر کی، اس سے صاف طور پر واضح ہے کہ جناب جعفر بن علیؑ کی عمر وقت شہادت ۲۱ برس کی تھی۔

ولد بعد اخيه عثمان بنحو سنتين وامه فاطمة ام البنين وبقى

---

[1] تاریخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷ طبع بمبئی، تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۹۳ طبع ایران ابصار العین صفحہ ۳۴ طبع نجف اشرف، مجالس المتقین صفحہ ۲۷۴ طبع ایران

[2] ابصار العین فی انصار الحسین صفحہ ۳۴ طبع نجف اشرف، تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۹۳ مجالس المتقین علامہ برقانی صفحہ ۲۷۴ طبع ایران ۱۳۶۳ھ، تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۷ طبع مصر

مع ابیه نحو سنتین و مع اخیه الحسن نحو مثلتی عشرة سنة و مع اخیه الحسین نحو احدی و عشرین سنة و ذالك مدة عمره. [1]

اپنے بھائی عثمان کے دو سال بعد پیدا ہوئے آپ کی ماں بھی جناب ام البنین تھیں۔ آپ اپنے باپ امیر المومنینؑ کے ساتھ دو سال اور بھائی حسنؑ کے ساتھ بارہ برس اور امام حسینؑ کے ساتھ ۲۱ سال زندہ رہے اور یہی مدت عمر ہے۔

آپ کی وجہ تسمیہ:

یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام چونکہ حضرت جعفر ابن ابی طالب کو بہت ہی چاہتے اور دوست رکھتے تھے اس لیے ان کی یاد کو قائم کرنے کے لیے اپنے فرزند کا نام بھی جعفر رکھا ہے تاکہ ان کی یاد ہمہ دم قائم رہے (**روی امیر المومنین سماہ اخیه جعفر لحه اباه**) مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کا نام جعفر اپنے بھائی جعفر بن ابی طالب کے نام پر محض اس لیے رکھا ہے کہ یہ ان کو بہت دوست رکھتے تھے۔ [2]

آپ کا میدان میں جانا:

تمام اہل تواریخ کا اتفاق ہے کہ جب عبداللہ اور عثمان قتل ہو گئے تو حضرت عباسؑ نے فوراً اپنے بھائی جعفر بن علیؑ کو طلب کیا اور ارشاد فرمایا: (**تقدم یا اخی الی الحرب حتی اراك قتیلاً کاخویك**) اے بھائی جنگ کے لیے جاؤ اور اتنا لڑو کہ میں تم کو تمہارے بھائیوں کی طرح مقتول دیکھ لوں، یہ سننا تھا کہ تاب ضبط باقی نہ رہی (**فتقدم وشد علی الاعداء یضرب فیهم بسیفه**) آپ فوراً میدان میں جا کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور اپنی برق دم تلوار سے برد آزمائی کرنے لگے۔

---

[1] ابصار العین صفحہ ۳۵

[2] ابصار العین صفحہ ۳۵ طبع نجف اشرف

آپ کی رجز خوانی:

اور ان الفاظ میں رجز خواں ہوئے۔

انی انا الجعفر ذوالمعالی
ابن علیؑ خیرۃ النوالی

میں بلندی کا بادشاہ جعفر ہوں اور حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا فرزند ہوں جو صاحب جودوکرم ہے۔

حسبی بعمی شرفاً و خالی
احمیٰ حسینا ذی الندا المفضالی

میرے چچا اور ماموں کی شرافت میرے شرف کا شاہد اعظم ہے اور میں ایسے حسینؑ کا مددکر نیوالا ہوں کہ جو بے نظیر بخشش کرنے والا ہے۔ [1]

آپ کا قاتل:

آپ جنگ کرنے میں مشغول ہی تھے کہ بقول ابوالفرج وعلامہ بسطامی خونی ابن یزید اصبحی نے قتل کیا اور بقول ابومخنف "شد علیہ ھانی بن ثبیت الحزمی الذی قتل اخاہ فقتلہ" ہانی بن ثبیت خضری جس نے آپ کے بھائی عبداللہ بن علیؑ کو قتل کیا تھا اس نے آپ کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ [2]

---

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ۲ ۱۶۳ طبع ایران، ابصار العین صفحہ ۳۸ طبع نجف اشرف، تاریخ التواریخ جلد ا صفحہ ۲۸۶ طبع بمبئی ۱۹۸۹ء

[2] ابصار العین صفحہ ۳۵ طبع نجف اشرف، تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۵۷ طبع مصر تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۶۳ طبع ایران۔

حضرت عباس علیہ السلام کے بھائیوں کی قبریں

سرزمین کربلا پر فاطمی باغ نام نہاد اور کلمہ گو مسلمانوں کے ہاتھ سے سپرد دورخزاں ہو چکا تو چند پژمردہ پھول باقی رہ گئے۔ جب عمر سعد ان مرجھائے ہوئے محمدی پھولوں کو دامن ظلم و استبداد میں لے کر روانہ کوفہ ہو گیا تو بنی اسد اپنے گھروں سے نکل کر مقتل حسینؑ میں آئے اور ایک گڑھا کھود کر حضرت عباسؑ کے علاوہ سب کو دفن کر دیا۔ اس گڑھے کے دفن ہونے والوں میں حضرت عباسؑ کے تمام بھائی بھی تھے، یہی سبب ہے کہ شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ "**ولیس بقبور اخوته واهله الذین سمینا هم اثر**" کہ حضرت عباسؑ کے ذکر شدہ بھائیوں وغیرہ کی قبر کا نشان نہیں ہے۔

ابر گر کوئی زائر ان کی زیارت کرنا چاہے تو "**یزورهم الزائر من عند قبر الحسین ویوحی الی الارض التی لحور حلبیه**" تو قبر حسینؑ کے قریب جا کر آپ کے پائنتی کی طرف اشارہ کر کے زیارت پڑھے۔ [1]

حضرت عباسؑ کا اپنے بھائیوں کو شہادت میں مقدم کرنے کا اصلی راز اور علامہ طبری کی تنگ نظری

بادی النظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جنگ آزمائی کے لیے اپنے اوپر مقدم کیوں کیا اس کے مختلف جوابات ہیں۔

پہلا جواب:

علامہ برغانی اپنی کتاب مجالس المتقین طبع ایران ۱۳۶۲ھ کے صفحہ ۴۷ پر

---

[1] ارشاد مفیدؒ

لکھتے ہیں۔

حضرت عباس تاکید تمامی می نمود که آں برادران کوچک تر خود را پیش از خود شهید راه حسینؑ نمایند مبادا آں که بعد از او شیطان وسوسه نماید و از فیض شهادت باز مانند۔الخ

حضرت عباسؑ نے بتاکید تمام اس کی کوشش فرمائی کہ چھوٹے بھائی اور ان سے پہلے حسینؑ کی راہ میں شہید ہو جائیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد شیطان ان لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر دے اور وہ لوگ شرف شہادت سے فیض یاب نہ ہو سکیں۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حضرت عباسؑ کے دل مبارک میں خطور پیدا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری شہادت کے بعد ان بھائیوں کے دل میں شیطان وسوسہ پیدا کر کے شرف شہادت سے باز رکھے۔

دوسرا جواب:

جو حقیر کے ذہن ناقص میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عباسؑ نے یہ خیال فرمایا ہو کہ میں ان سب میں بڑا اور قوت دار اور شہادت کا واقع ہونا بھی ضروری ہے، اگر میں ان سے پہلے میدان قتال میں جاؤں گا، اور جام شہادت نوش کرلوں گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے دل ٹوٹ جائیں گے اور ہمت پست ہو جائے گی۔لہٰذا ہوسکتا ہے کہ جنگ سے پہلو تہی کرتے ہوئے، مرتبۂ شہادت پر فائز نہ ہوں اور پدر بزرگوار کی وصیت کو پس پشت ڈال دیں۔

تیسرا جواب:

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ طبری جلد ۶ طبع مصر کے صفحہ ۲۵۷ میں نہایت ہی تعصب کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں سے

فرمایا۔ تقدموا حتی ارثکم فانہ لا ولد لکم۔ الخ اے بھائیو! تم جنگ گاہ میں جا کر اپنی جان دے دو، تاکہ میں تمہارا وارث ہو جاؤں اس لیے کہ تمہارے کوئی اولاد نہیں۔

علامہ طبری کی رو:

میں کہتا ہوں کہ تعجب تو اس امر کا ہے کہ علامہ طبری نے ایسے ناپاک فقرات اپنے قلم سے لکھے اور قلم مضطرب ہو کے ان کے ہاتھ سے نہ گر گیا۔ حضرت عباسؑ جیسے جری و بہادر کے لیے اس قسم کے فقرے کا تحریر کرنا، صرف علامہ طبری ہی کی سعودی جرأت کا کام ہے، بھلا عقل میں بھی آنے کی بات ہے، کہ وہ بہادر جس کی شہادت یقینی تھی کیسے اپنے دل میں ایسے خیال فاسد کو جگہ دے سکتا ہے، افسوس دنیا والے ایسے اندھے ہو گئے کہ حق کو آغوشِ باطل میں پرورش پانے کی ان تھک کوشش کرتے ہیں، امام حسینؑ نے جب حسین منی و انا من الحسین کے آخری ٹکڑے کے ثابت کرنے کے لیے جلا وطنی اختیار کی گھر بار چھوڑا۔ مسلم جیسے بھائی کو شہید کرا ڈالا، کربلا جیسے بے آب و گیاہ جنگل میں پہنچ کر کشت اسلام کو اپنے و نیز اپنے چھوٹے بچوں کے خون سے سینچا تو باطل پرست کہہ اٹھے کہ حسینؑ جذبہ ریاست کے ماتحت اٹھے تھے۔

اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے کڑیل جوان بھائی حضرت عباسؑ نے اپنی و نیز جملہ بھائیوں کی جانوں کو حسینؑ پر اس طرح نثار کر دیا کہ تواریخ کے صفحات اس کی نظیر سے قاصر ہیں۔ اور محض اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے برادران ہماری شہادت کے بعد شرف شہادت سے محروم رہیں اپنے سے پہلے ان کو شہید کرا دیا۔ منصف مزاج مورخین کے تواریخ اس مقام پر خاموش ہیں، مگر علامہ طبری نے کہہ کر اپنے کامل تعصب اور باطل پرستی کا بین ثبوت دیا جس سے ارباب نظر واقف ہیں۔

حضرت عباسؑ کی کارگذاری اور طلب اذن جہاد

حضرت عباسؑ بن علیؑ کی یہ کارگزاری کہ انہوں نے اپنے سارے بھائیوں کی تیغ آب دار کا اعانت حسینؑ میں نہایت تلخ اور کڑوا پانی پلوا دیا، معمولی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے، خدا کی قسم اگر کائنات عالم کے چپے چپے میں حضرت عباسؑ کے کارناموں کی نظیر تلاش کی جائے تو ہر گز ہر گز کوئی نہ ملے گی۔

جب اپنے تمام بھائیوں کو تہِ تیغ کرا دیا اور سب کو بحر ناپیدا کنار جنگ میں بھیج کر فنا کے گھاٹ اترا دیا اور اب کوئی ایسا موجود نہ رہا جس کو مقاتلہ کے لیے رزم گاہ روانہ فرماتے تو آپ ہی فوراً امام حسینؑ پر جان شیریں کو نثار کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

اور سر جھکائے ہوئے بھائی کی خدمت میں آ کر دست بستہ عرض کرنے لگے۔ کہ جیسا ہم نے اپنے بھائیوں کو جنگ گاہ میں بھیج کر آپ پر سے نثار کر دیا ہے۔۔۔۔ کوئی ایسی ہستی نہیں، جس کو آپ پر سے واریں یا اخی ھل۔۔۔۔۔ لہٰذا بھیا اب ہم کو بھی اجازت عنایت فرمایئے۔

دراصل یہ ایک ایسا فقرہ تھا کہ جس نے حسینؑ کے لیے اپنے کو ایک ضرب کاری کے مرادف قرار دیا، حسینؑ نے فوراً جگر تھام لیا، آہ سوزاں نے قصر تن میں شرر باری کا کام شروع کر دیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے اس قدر گریہ فرمایا کہ تمام ریش آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

فبکی الحسین بکاء شدیدا حتی ابتلت لحیۃ بالدموع. [1]

حسینؑ اس قدر روئے کہ ساری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۷۸ طبع ایران، مقتل عوالم صفحہ ۹۴ طبع ایران، انوار الشہادت علامہ یزدی صفحہ ۵۴ طبع لاہور، مجالس المتقین علامہ برغانی صفحہ ۲۷ طبع ایران۔

طلب اذن جہاد عباسؑ پر حضرت امام حسینؑ کی فہمائش

جب حضرت عباسؑ نے حضرت امام حسینؑ کے روبرو اپنے قتل ہو جانے کا سوال پیش کیا اور چاہا کہ اذن جہاد مل جائے تاکہ ہم جا کر دشمنان خدا سے اچھی طرح مقابلہ کریں اور اپنے بھائی پر جان عزیز کو نثار کردیں امام حسینؑ نے یہ خیال فرمایا کہ اگر ہم نے عباسؑ کو اذن جہاد دی دیا تو اس میں دو خرابیاں پیش ہوں گی ایک تو یہ ہمارے نانا کی ساری امت برباد ہو جائے گی دوسرے اگر عباسؑ نے جہاد میں شرف شہادت حاصل کرلیا تو پھر حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ اس لیے کہ سوائے عباسؑ کے اب کوئی معین و مددگار نظر نہیں آتا۔

نماندہ بود بسار دیں ہوا داری
نہ یک حبیب و نظیر سے نہ یار غم خواری
شہنشہے کہ لب خشک دیدہ ترا داشت
ہزار دشمن کوں خوار و یک برادت داشت

سمجھانے کا ایک گوشہ:

چونکہ حضرت امام حسینؑ کے پاس عباسؑ کے علاوہ کوئی دوسری کائنات نہ تھی، اس لیے طلب اذن جہاد پر حسینؑ نے حسرت بھری نگاہوں سے حضرت عباس علیہ السلام کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

اخی کنت العلامة من عسکری و مجمع عدد نا فاذا انت غدوت یئول جمعنا الی الشتات وعمارتنا تنبعث الی الحزب۔[1]

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۰۱ طبع ایران منقول جواہر صفحہ ۹۳ بحار الانوار جلد ۱۰ طبع ایران

(ہائے) بھیا تم ہی تو ایک ہمارے لشکر کی نشانی تھے اور تمام لشکر کے مرادف تھے۔

(آہ) جب تم بھی چلے جاؤ گے تو پھر ہماری یہ مختصر جماعت پراگندہ ہو جائے گی اور ہماری ساری عمارت حیات برباد ہو جائے گی۔

اب اگر بغور دیکھا جائے تو حضرت امام حسینؑ کا یہ فقرہ نہایت حسرت آگیں ہے۔ "**یئول جمعنا الی الشتات الخ**" یعنی ہماری ساری جماعت پراگندگی کی طرف مائل ہو جائے گی۔

علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں۔

یا اخی انت صاحب لوائی علامة عسکری و اذا مضیت عسکری. [1]

پھر (حسینؑ) نے فرمایا اے بھیا (عباسؑ) تم ہی تو ہمارے علم بردار اور نشان لشکر ہو (ہائے بھائی) اگر تم نہ ہو گے تو ہمارا لشکر تتر بتر ہو جائے گا۔

اب اس مقام پر سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت امام حسینؑ کے پاس اس وقت لشکر کہاں موجود تھا، تمام اعزا و اقربا جامِ شہادت پی چکے تھے چھوٹے بچے سب تہ تیغ ہو چکے تھے، پھر آپ کا یہ فرمانا کہ بھیا، اگر تم چلے جاؤ گے تو سارا لشکر درہم برہم ہو جائے گا کیا معنی رکھتا ہے۔

بتامّل یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے فرمانے کے دو سبب تھے، ایک تو یہ کہ اے بھیا عباس تم جانتے ہو کہ ہمارا سارا لشکر خون میں ڈوب چکا ہے اور سارا لشکر موت کی نیند سو رہا ہے مگر تمہاری موجودگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ہمارے لشکر کا ایک متنفس

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۵۳ طبع لاہور

بھی ہم سے جدا نہیں ہوا یعنی صرف تمہارا وجود سارے لشکر کے برابر ہے، اے بھیا جس وقت تم چلے جاؤ گے اس وقت حسینؑ بالکل بے دست و پا ہو جائیں گے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے بھیا عباسؑ صرف تمہاری وجہ سے ہمارے اہلبیتؑ اسیری سے بے خوف ہیں، ان کو قید ہو جانے کا دھڑکا نہیں ہے، اگر چلے جاؤ گے ان پر تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا یعنی ہمارا یہ چھوٹے بچوں اور عورتوں کا لشکر بھی اسی طرح پامال کر دیا جائے گا۔

جس طرح ہمارے جری و بہادر لشکر والے برباد کر دیے گئے تمہاری موجودگی میں یہ ناممکن ہے کہ ہمارے اس چھوٹے سے لشکر کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے، سچ ہے حضرت امام حسینؑ کو حضرت عباس علیہ السلام کی رفاقت پر بڑا اعتماد تھا۔

تھا ناز رفاقت پہ تری سبطِ نبیؐ کو
سقائے حرم جان تھا تو آلِ عبا کی

سمجھانے کا دوسرا پہلو:

علامہ بسطامی طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ نے طلب رخصت پر عباسؑ کو یوں جواب عنایت فرمایا:

بھیا ہمارے مرنے کے ساتھ ہی علم اسلامی سرنگوں ہو جائے گا۔ اور بے بس و بے کس عورتوں کے بازو باندھے جائیں گے اگر تم بھی نہ ہو گے تو علم اسلام کون سربلند کرے گا، اور ان بے کس عورتوں کا کون خبر گیر ہوگا، اے بھائی یہ کوفہ و شام کے باشندے صرف ہمارا ہی خون چاہتے ہیں، تم سے کوئی بحث نہیں ہے،

اے بھائی ایسے سخت وقت میں موجود رہو تا کہ بے پدر بچوں اور نادار عورتوں کی دل و جان سے حمایت کر سکو۔

بکلثوم ار کند قصد جفا خصمے تو بگزاری
اگر باز دے زینب را کسے بندد تو بکشانی۔ [1]

جنگ گاہ میں جانے کے لیے حضرت عباسؑ کا اصرار

جب حضرت عباسؑ جن کو جان نثاری امام حسینؑ کا از حد شوق تھا، اپنے بھائی کے ضمیر سے آگاہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ فرزند رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رزم گاہ میں نہ جانے دیں گے تو آپ نے اصرار آمیز لہجہ میں فرمانا شروع کر دیا:

فداك ريح اخيك يا سيدي قد ضاق صدري من حياة الدنيا وارید اخذ الثار من هئولاء المنافقين. [2]

اے میرے آقا آپ پر مجھ ناچیز بھائی کی روح قربان اب زندگانی دنیا سے بہت دل تنگ ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنے مقتولین کا خون بہا ان منافقین سے ابھی ابھی لے لوں۔

حضرت امام حسینؑ حضرت عباسؑ کے اصرار پر خاموش ہو گئے مگر حسینؑ ہرگز ہرگز نہ چاہتے تھے، کہ عباسؑ جیسا بھائی مجھ سے جدا ہو جائے اور تمام اہل بیتؑ کی آس توڑ دے اور اپنے کو موت کے حوالے کر دے ظاہر ہے کہ امام حسینؑ بھلا کیوں کر ایسے بھائی کی شہادت پر تیار ہوتے کہ جس پر پورا اعتماد تھا اور جس کے اوپر آپ فخر کیا کرتے تھے۔ ع

حسینؑ کہتے تھے عباسؑ جیسا میرا بھائی ہے
کسی کا خلق میں ایسا برادر ہو نہیں سکتا

---

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ طبع ایران

[2] انوار الشہادت علامہ یزدی طبع لاہور صفحہ ۵۳ تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ طبع ایران

حضرت عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہیں ملی

قوت بازو کا پیہم اصرار کہ بھیا رزم گاہ کی اجازت عنایت ہو اور امام حسینؑ کا انکار کہ ہم اگر تم کو اجازت دے دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک تو ہم بے دست و پا ہو جائیں گے، دوسرے ہمارے نانا کی ساری امت عباسؑ کی آب تیغ سے سیراب ہو کے رہے گی

طلب آب کا بہانہ:

لہٰذا آپ نے ہر چند سمجھانے کے بعد فرمایا کہ بھائی عباسؑ جب تم نہیں مانتے تو مجبوری ہے مگر ہاں اس کا خیال رہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے بے چین ہیں۔ **فاطلب لھولاء الاطفال قلیلا من الماء**۔ تم لڑنے جانا مگر پہلے ان کی پیاس تو بجھالو یعنی حضرت امام حسینؑ کا یہ مطلب تھا کہ عباسؑ پانی لانے کے لیے جائیں اور مقاتلہ نہ کریں۔ اس لیے فرمایا کہ بھیا تم کو صرف اتنی اجازت ہے کہ تم پانی کے لیے فرات کی طرف جاؤ مگر دیکھو دشمنوں سے جنگ نہ کرنا۔ "اذن جہاد برائے او نادادہ۔"

امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہ دی۔ [1]

علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں، کہ جب حضرت عباسؑ کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

ما تری ما حل بنا من العطش و اشد الاشیاء علینا عطش الاطفال والحرام امض الی الفرات وأیتنی شیئا من الماء۔ [2]

[1] شرح مطالع الانوار آقا محمد علی رشتی نجفی صفحہ ۱۰۲ طبع لکھنؤ

[2] انوار الشہادت صفحہ ۱۶۵ طبع بمبئی مجالس صفحہ ۷۴ طبع ایران، جلاء العیون طبع ایران صفحہ ۲۰۹

(اے بھیا عباسؑ) دیکھو تو سہی ہم پر پیاس کا کتنا غلبہ ہے اور سب سے زیادہ چھوٹے چھوٹے بچوں اور اہل حرم کی پیاس کا خیال ہے (بھیا پہلے) فرات کی طرف جا کر جس طرح ممکن ہو سکے تھوڑا پانی لاؤ۔

یہ فرمان پاتے ہی حضرت عباس علیہ السلام رزم گاہ جانے پر کمر بستہ ہو گئے اور اپنے مقام پر یہ طے فرمالیا کہ اب جس طرح ممکن ہو سکے گا، خیام اہل بیتؑ میں پانی پہونچاؤں گا، اور اس وقت تک لب تشنہ کو تر نہ کروں گا۔ جب تک حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ اچھی طرح سیراب نہ ہو لیں گے۔

حضرت عباسؑ کی زبانی امام حسینؑ کی پیغام رسانی:

حضرت عباسؑ کے روانہ ہوتے ہوتے حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ اے بھائی عباسؑ ہمارا یہ پیغام قوم اشقیاء کی طرف پہنچادینا۔ **دعونی اخرج الی طرف الروم او الھند داخل لکم الحجاز والعراق**۔ کہ اے قوم جفا کار اگر تم کو اس بات کی ضد ہے کہ ہم تمہاری سلطنت میں نہ رہیں تو اچھا ہم اس پر بھی تیار ہیں، تم ہم کو چھوڑ دو، ہم ملک روم کی طرف یا ہندوستان کی جانب چلے جاویں اور عراق وحجاز کو تمہارے پھیلنے کے لیے خالی کر دیں۔

بروایت زہیر **فنادی یا علی صوتہ کانہ صوت امیر المومنین**۔۔۔ آپ نے میدان جنگ میں جاتے ہی امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے لہجہ میں پیغام رسانی کی

حضرت عباسؑ کی زبان اقدس پر ان فقرات کے جاری ہوتے ہی لشکر بے دین میں ایک کہرام برپا ہو گیا، بعض تو مہر سکوت لگائے دم بخود خاموش رہ گئے اور بعض بیٹھ کر رونے لگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے یہ کلمات معمولی نوعیت کے نہ تھے ورنہ دشمن کے دل میں کبھی مہر کی لہر کروٹ لیتی ہوئی نہ دکھائی دیتی اور کوئی بھی ان فقرات سے اتنا متاثر نہ ہوتا قوم جفا کار کے بعض پہلو میں پھڑکتا ہوا دل رکھنے والے ہوئے۔

حضرت عباسؑ کے حلم کی ایک نظیر:

شمر وشیث ملعون نے جب لشکر کا یہ حال دیکھا تو فوراً حضرت عباسؑ کے قریب آ کر کہنے لگا، کہ اے عباسؑ بن علیؑ میں تم سے کھلے لفظوں میں کہتا ہوں کہ تم اس پیغام کا جواب حسینؑ کو ان لفظوں میں دے دو کہ حسینؑ اور اطفال کے لیے کوئی امر مسموع نہیں ہے۔ وہ بلا بیعت کیے ہوئے جا نہیں سکتے اور کہدو۔

کہ اگر جمیع روئے زمین آب بودہ باشد و در دست ما باشد قطرہ ازاں آب را بشمانہ خود شانیم تا باطاعت یزید درآمد۔

اگر تمام روئے زمین پانی پانی ہو جائے، اور سارا پانی ہمارے قبضے میں ہو تو ہم اس پانی سے ایک قطرہ بھی تم کو اس وقت تک نہ دیں گے۔ جب تک تم سر اطاعت یزید کے لیے خم نہ کر دو۔

یہ سنتے ہی حضرت عباسؑ مسکرائے **فتبسم العباس و مضی و اخبرہ بما قالوا** ۔ اور اپنے بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ دہرا دیا۔

اب اگر بغور دیکھا جائے تو حضرت عباسؑ ایسے بہادر کا ایسے نازک وقت میں حلم سے کام لیتے ہوئے مسکرا دینا معمولی بات نہیں ہے، سچ ہے اگر کسی شیر کردگار کے سامنے کوئی روباہ صفت انسان اسی طرح دریدہ دہنی سے کام لے تو وہاں پر حقارت کی نظر سے مسکرا دینا ہی انسب ہے۔

جواب سننے کے بعد حسینؑ کا اضطراب:

حضرت عباسؑ نے جب ان ملاعین کے جواب کو جناب امام حسین علیہ السلام کے سامنے دہرایا۔ **قطاطاء الحسین راسه الی الارض وبکی حتی بل اذیاله۔** تو حضرت امام حسینؑ زمین کی طرف سر جھکا کر اس قدر روئے کہ تمام دامن آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ [1]

پانی کے متعلق حضرت عباسؑ کی دعا

دنیا وفا کا بادشاہ جب پیغام رسانی کے سارے مرحلے طے کر کے خیام کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں خشک کوزے لیے ہوئے آواز العطش کے ذریعہ سے نعرہ افگنی کر رہے ہیں۔ **فلما سمع العباس بذالك** ۔ جب عباسؑ کے یہ دلخراش نالے گوش زد ہوئے تو بے چین ہو کر **رمق بطرفه الی السماء۔** حسرت آگیں نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ کر نہایت ہی لجاجت سے فرمایا۔

الهی و سیدی ارید اعتد بعدتی واملی لهولاء الاطفال قربته من الماء۔ [2]

اے میرے خدا اور سردار میں چاہتا ہوں کہ جان توڑ کوشش کے بعد ایک ہی مشکیزہ سہی، پیاسے بچوں تک پہونچا دوں (تجھ سے بڑی امید ہے کہ تو ایفائے، وعدہ کے لیے واپس لائے گا۔

---

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۸ تا ۱۷۹ طبع ایران، مقتل عوالم صفحہ ۱۱۷ طبع ایران، بحار الانوار جلد ۱۰ طبع ایران

[2] انوار الشہادت صفحہ ۵۳ طبع لاہور تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۹ طبع ایران، اسرار الشہادت صفحہ ۳۱۳ طبع ایران، مجالس المتقین علامہ برغانی طبع ایران ۱۳۲۲ھ

اس دعا سے اس بات کا کافی طور سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ کے دل میں پیاسوں کے بجھانے کی کتنی کد تھی۔

یہی سبب تھا کہ حضرت عباس علیہ السلام رخصت ہوتے ہوتے پیاسے بچوں سے فرماتے گئے کہ "سے بچو! ذرا سکوت وصبر سے کام لو اور اس قدر نالۂ وشیون وفریاد نہ کرو، میں جاتا ہوں اور ابھی ابھی پانی لاتا ہوں تم دعا کرو کہ میں فرات سے پانی لے صحیح وسالم تم تک پہونچ جاؤں۔ یہ سنا تھا کہ" آں اطفال سر خود را از روے خاک برداشتند" ان سارے پیاسے بچوں نے خشک زمین سے سر اٹھا کر اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو سوئے آسمان بلند کر کے دعا کی۔" اے حمید مقال عم بزرگوار ما عباسؑ را صحیح وسالم برگرداں کہ آب از برائے ما بیاورد کہ جگر ما از تشنگی کباب شدہ است"

اے میرے خدا تو ہمارے چچا عباسؑ کو صحیح وسالم واپس لاتا کہ ہمارے لیے پانی لائیں، اس لیے کہ ہم لوگوں کے قلوب نسان کباب بھنے جا رہے ہیں۔

آلات حرب سے حضرت عباس علیہ السلام کی آراستگی اور اوس کی تحقیق

صاحب روضۃ الحسینیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"تیغ مصری حمائل کردہ و کماں ببازو افگندہ و مانند مہر درخشاں بہ معرکہ جاں نثاری شتافت۔

بہ پوشید بر تن سلیح نبرد
ھمی از جہاں آفریں یاد کرد
کمند و کماں زینت دوش کرد

سلیخ زرہ زیب آغوش کرد
سناں و عناں را چو بر کف گرفت
از او چرخ گردیں اندر شگفت

(مؤلف) کہتا ہے کہ جس صورت سے میدان کی رہروی مذکور ہوئی ہے، وہ قرین قیاس نہیں ہے اس لیے کہ ایک بہادر شخص سے ایسے تنگ وقت میں بطریق مذکور آلات حرب سے آراستہ ہو کر میدان میں جانا بعید معلوم ہوتا ہے، اگر حضرت عباسؑ صرف مشک و علم لے کر میدان میں تشریف لے گئے ہوں تو کوئی تعجب نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عباسؑ جنگ کرنے کے لیے میدان میں نہیں تشریف لے گئے بلکہ صرف پانی لانے کی خاطر گئے تھے تو اتنے ساز و سامان کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ ایک تو خود ہی اتنے زبردست بہادر تھے، کہ سارے نامور ان لشکر ان کے نام سے کانپ اٹھتے تھے، دوسرے آپ کو جنگ کی اجازت بھی نہ ملی تھی، تیسرے آپ صرف پانی کے لیے گئے تھے، اور امام حسینؑ نے زبان حال سے عدم مقاتلہ کا وعدہ بھی لے لیا تھا۔

اب ان اسباب کے بعد پھر بصورت مذکورہ آلات حرب سے آراستگی سمجھ میں نہیں آتی، بہر حال ناچیز مؤلف کا خیال یہ ہے کہ آپ صرف مشکیزہ اور علم لے کر فرات کے قصد سے جنگ گاہ کی طرف روانہ ہوئے اسی کی تائید کتب مقاتل کے اوراق کرتے ہیں۔

آپ نے پانی کے لئے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لے کر سر دوش مشکیزہ حمائل کر کے فرات کی طرف رخ کیا۔ [1]

---

[1] علامہ برخانی صفحہ ۳۷ طبع ایران ۱۲۶۳ھ ریاض الشہادت علامہ قزوینی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ طبع ایران ۱۳۷۲ھ

حضرت عباسؑ کے رخصت نہ ہونے کا راز اور ایک دلخراش واقعہ

چوں کہ آپ رزم گاہ میں جا کر جنگ کرنے کی اجازت سرکار حسینؑ سے نہ ملی تھی، اس لیے چلتے وقت آپ کسی سے مرخص نہیں ہوئے تھے خیال تھا، کہ پانی کے واسطے جاتے ہیں اور ابھی پلک جھپکتے ہی بھری ہوئی مشک خدمت امام حسینؑ میں حاضر کر دیں گے۔

مگر امام حسینؑ بہ علم امامت جانتے تھے کہ عباسؑ کی واپسی غیر ممکن ہے، اب یہ میدان سے مراجعت نہیں کر سکتے اسی سبب سے حضرت عباسؑ کے اسپ تیز گام کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے، چند قدم رہروی کے بعد آپ نے حضرت عباس علیہ السلام تک اپنی لرزتی ہوئی آواز پہونچائی اور آہستہ آہستہ رونا شروع کر دیا حضرت عباس علیہ السلام کے کانوں تک صدائے گریہ حضرت امام حسینؑ پہونچ گئی، آپ نے آواز پر مونھ پھیرا، تو دیکھا گریہ حضرت امام حسینؑ روتے ہوئے آرہے ہیں اور چپکے چپکے کہتے آتے ہیں۔ ''اے برادر عباس صبر کن تا ترا یک دفعہ دیگر سیر ببینم۔۔۔''

یہ سنتا تھا کہ حضرت عباسؑ فوراً گھوڑے سے کود پڑے اور بچشم گریاں عرض کرنے لگے، کہ ہائے بھیا حسینؑ اب تو میری کمر شکستہ ہوگئی ہے، اس کے بعد دوڑ کر فوراً دونوں بھائی بغل گیر ہو کر اس قدر روئے کہ طریان غشی کا اندیشہ رونما ہو گیا۔

پس حضرت عباس علیہ السلام روانہ باین سبب با برادر خود مثل سائر شہداء وداع نہ کرد و حضرت بعلم امامت میدانستند کہ عباس شہید می شود ہمیں کہ چند قدم راہ رفت دید بعقب سرش صدائے گریہ می آید کسے او را صدا می زند چوں نگاہ کرد کہ امام مظلوم گریہ کناں

می آید و آہستہ آہستہ صدا می زند۔ اے برادر کن تا ترا ایک دیگر سیر بہ بینم حضرت عباس چوں ایں را شنید بریست و عرض کرد اے برادر کمر من شکستہ میشوم حضرت گریست وآں دو برادر دستہا را بگردن یکدیگر آوردند و ایں قدر گریتند کہ نزدیک بود کہ مدہوش شوند پس بعد از وداع حضرت عباس علیہ السلام روانہ فرات شد۔ [1]

حضرت عباس علیہ السلام محض اس امید پر کہ ابھی واپسی ہوگی حضرت امام حسینؑ سے بغیر رخصت ہوئے روانہ فرات ہو گئے۔ اور حضرت امام حسینؑ بعلم امامت جانتے تھے کہ عباس علیہ السلام اسی مرتبہ شہید ہو کے رہیں گے۔ اسی لیے (تھوڑی دیر بعد حضرت امام حسین علیہ السلام روانہ ہوئے) حضرت عباسؑ نے محسوس کیا کہ پشت کی جانب سے رونے کی آواز آتی ہے اور کوئی پکارتا ہے جوں ہی حضرت علیہ السلام نے نظر کی کیا دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام با آہ سوزاں وچشم گریاں آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے کہ عباسؑ ذرا ٹھہرو ہم تمہیں ایک نظر اور جی بھر کر دیکھ لیں چلے آتے ہیں۔ حضرت عباسؑ یہ سن کر بے ساختہ رونے لگے اور عرض کی بھیا! میری کمر ٹوٹی جارہی ہے اس وقت امام حسینؑ نے بے پناہ گریہ کیا اور دونوں بھائی بغل گیر ہو کے اس قدر روئے کہ بیہوشی کے آثار نمایاں ہو گئے، پھر حضرت عباسؑ رخصت ہو کر طلب آب کے لیے فرات کی سمت روانہ ہوئے۔

علامہ قزوینی اس قیامت خیز واقعہ کے تتمہ میں رقم طراز ہیں کہ دونوں بھائی آپس میں بغلگیر ہوئے۔

واشک از دیدگاں مثل مرارید بر بحث و بہ نسبتی کہ عناں تحمل از دست ملائکہ آسمانہا بدر رفت۔ و زلزلہ در عالم ملکوت افتاد و ناظران صوامع لاہوت و گاہوارہ جنباں حسنین یعنی جبرائیل امین

---

[1] منوار الشہادت علامہ یزدی صفحہ 55 طبع لاہور ۱۲۷۶ھ

سائر قدسیاں عالم الملکوت را زیرو زبر کرد و جناں را کون در جگر نمود وحشیاں صحرا و مرغاں ہوا را کباب۔ [1]

اور آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہانے لگے ان کے رونے کی کیفیت یہ تھی کہ ملائکہ کے ہاتھوں سے ضبط و تحمل کی باگ چھوٹ گئی، عالم ملکوت کے ذرہ ذرہ میں زلزلہ آنے لگا صوامع لاہوت کے باشندے جو اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے اور گہوارہ جنباں حسنین جناب جبرئیل بلکہ تمام قدسیاں علام ملکوت کو زیر وزبر کردیا اور جنوں کے جگر کون کردیے اور صحرائی اور صحرائی جانور اور فضائی طیور کو جلا کر کباب کر ڈالا۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس واقعہ سے حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے درمیان عطوفت قلبیہ کی اہمیت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کس قدر اشک ریز اور قیامت خیز وہ سماں رہا ہوگا۔ جب حضرت عباسؑ اپنے بھائی سے رخصت ہوئے فرات کی راہ لینے پر حضرت امام حسینؑ کمر تھامے ہوئے باصد نالہ و آہ آہستہ آہستہ حضرت عباس کو آواز دے رہے ہوں گے، خدا کسی بھائی کو بھائی سے جدا نہ کرے حضرت عباسؑ نے جب اپنے بھائی کو آتے دیکھا فوراً دوڑ کر گلے سے لگ گئے اور بیحد گریہ کیا۔

نہر فرات کی طرف حضرت عباسؑ کی روانگی اور رجز خوانی

حضرت عباسؑ اپنے بے نظیر بھائی سے رخصت ہوکر عازم نہر فرات ہوئے اور میدان میں پہونچتے ہی بنا بر علامہ بسطامی ان الفاظ میں رجز خوانی فرمائی۔

اقاتل القوم بقلب مهتد

اذب عن سبط النبی الاحمد

---

[1] ریاض الشہادت جلد ۳ صفحہ ۲۰۰ طبع ایران ۱۲۷۳ھ

اے قوم یاد رکھو میں اپنے ہدایت یافتہ قلب سمیت بنظیر مقاتلہ کے سلسلہ میں نواسہ رسول محمد مصطفیٰؐ سے دفع دشمنان کرونگا

اضربکم بالصارم المهند
حتی تحیدوا عن قتال سیدی

(میں سچ کہتا ہوں) کہ ہندی تلوار سے تم کو اتنا قتل کروں گا کہ تم گھبرا کے ہمارے سید و آقا امام حسینؑ کی جنگ سے باز آؤ گے

انی انا العباس ذوالتودد
نسل علی الطاهر المؤید

میں عباسؑ ہوں صاحب شجاعت و محبت (یعنی) شجر علوی کی ایک عدیم ترین شاخ ہوں۔ [1]

حضرت عباسؑ کا محاصرہ کا حکم:

رجز خوانی کے بعد فوراً ایک شخص قبیلہ بنی وآدم کا لشکر عمر سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ ملکم حولوا بینه و بین الفرات ولا تمکنوه من الماء ارے خدا تمہیں غارت کرے کیا کھڑے دیکھ رہے ہو عباسؑ اور فرات کے درمیان حائل ہو جاؤ دیکھو ایک قطرہ بھی پانی کا لینے نہ پائیں یہ آواز حضرت امام حسینؑ کے کانوں تک پہنچ گئی۔ حضرت امام حسینؑ نے بددعا فرمائی۔ خدایا اس پر پیاس کو مسلط کر یہ سنتے ہی اس ملعون نے ایک تیر حضرت کی جانب پھینکا وہ تیر امام حسینؑ کے گلوئے مبارک پر لگا اور وہ اس سے خون جاری ہو گیا۔

فانتزع الحسین السهم و بسط کفه تحت حنکه فامتلئت را

---

[1] تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ طبع ایران، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ طبع ایران

حتاه بالدم فرماه به ثم رجع الی مکانه و قد اشتدت به العطش و احاط القوم بالعباس. [1]

امام حسینؑ نے گلے سے پیوستہ تیر کو آہستہ سے نکالا اور اپنی ٹھوڑی کے نیچے لگا دیا۔ دونوں ہاتھ خون سے بھر گئے آپ نے اسے سوئے زمین پھینک دیا، اور اپنے مقام کی طرف پیاسے ہی پلٹ آئے۔ (پھر کیا تھا اکیلا پا کر) لشکر خوں خوار نے حضرت عباسؑ کو گھیر لیا۔

بہر حال اس ملعون کی آواز پر چار ہزار لشکریوں نے لبیک کہی **فاحاط به اربعة الاف من الموکلان بالفرات** اور حضرت عباسؑ کو گھیر لیا۔ [2]

حضرت عباسؑ کے نصیحت آمیز کلمات جب حضرت عباسؑ نے ان ملاعین کی بے حیائی اور غداری کو اچھی طرح دیکھ لیا، اور خوب سمجھ لیا، کہ یہ لوگ ہرگز ہرگز خیمہ حسینؑ تک پانی نہ پہنچنے دیں گے، تو اتمام حجت کے لئے فرمایا کہ سچ بتاؤ تم لوگ کافر ہو یا مسلمان کیا تمہارے دین میں یہ جائز ہے کہ حسینؑ اور ان کے بچوں کو پانی پینے سے روکو حالانکہ سور اور کتوں کو پینے دیتے ہو، ذرا غور تو کرو کہ حسینؑ اور ان کے بچے مارے پیاس کے جاں بلب ہیں اور تم پانی نہیں دیتے کیا تم قیامت کی پیاس کو بھولے ہوئے ہو۔

قال لهم انتم کفرة ام مسلمون هل یجوز فی دینکم ان تمنعوا الحسینؑ و اطفاله من شرب الماء والکلاب والخنازیر یشربون منه والحسینؑ مع اطفاله یموتون عطشاً اما تذکرون

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ۸ ۱۷ اور ۱۸۱ (بحوالہ ارشاد و لہوف۔ تاریخ ابو الفداء جلد ا صفحہ ۱۹۱ طبع مصر۔

[2] انوار الشہادت صفحہ ۵۵ طبع لاہور و تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۷۸ بروایت منتخب۔ طبع ایران

عطش القیامة.[1]

حضرت عباسؑ نے فرمایا، ارے تم لوگ کافر ہو یا مسلمان کیا تمہارے دین میں یہ جائز ہے۔ کہ نہر فرات سے حسینؑ اور ان کے بچوں کو پانی پینے سے روکو درآں حالیکہ کتے اور سور، اس سے پیتے ہیں (آہ آہ) حسینؑ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے مارے پیاس کے مرے چھوٹے چھوٹے بچے مارے پیاس کے مرے جاتے ہیں، کیا تم لوگ قیامت کی پیاس یاد نہیں کرتے۔

ان کلمات حقہ کے فرماتے ہی بروایت علامہ مجلسی چار ہزار اور بروایت شیخ طریحی پانچ سو تیروں کی شدید بارش شروع ہوگئی، مگر اللہ رے جانبازی عباسؑ کہ آپ نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی فحمل علیهم و تفرقوا عنه ...منهم ثمانین فارساً اور معلوم ہوتا ہے کہ وفاداری کس کا نام ہے اور مدد کرنا کس کو کہتے ہیں۔

لا ارهب الموت اذالموت زقاً

حتی اواری فی المصالیت لقاً

اے قوم جفا کار اچھی طرح سمجھ لو کہ میں وہ بہادر ہوں کہ جب موت احمر ظاہر ہوتی ہے تو اس سے ڈرتا۔۔ہوں اور میں شمشیر برہنہ سے روگردانی نہیں کرتا۔

نسی لنفس المصطفیٰ الطهر وقاً

انی انا العباس اغدوا بالسقا

ولا اخاف الشر یوم الملتقی

میر جان حسینؑ پر فدا ہو جائے جو بمنزلہ جان محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ میں عباسؑ ہوں اور سقائے (اہلبیت ہوں اور تم کو یہ بھی خیال رہے) کہ میں جنگ گاہ میں جنگ کرنے سے

[1] انوار الشہادت صفحہ ۵۵ طبع لاہور۔

قطعاً نہیں ڈرتا۔[1]

حضرت عباس علیہ السلام کی مارد سے نبرد آزمائی اور اس کا نتیجہ

کتب مقاتل کی اوراق گردانی بتاتی ہے کہ جب حضرت عباس علیہ السلام نہر فرات کے قریب پہونچے اور سارے لشکر عمر سعد نے محاصرہ کرلیا تو آپ نے بڑے بڑے شجاعوں کو شکست کے گہرے گہرے کنویں جھکائے اور شدید حملے کرتے ہوئے بطور رجز حسب ذیل اشعار زبان پر جاری فرمائے۔

نحن الفواضل نسل الهاشميات
لسفك دمائكم الحد المرقيات

ہم نسل ہاشمی کے وہ جلیل لوگ ہیں جو چمکدار اور تیز باڑھ سے تمہارے خون بہانے کے لیے (پیدا کیے گئے ہیں)

يا آل اللئام و ابناء الرعيات
يا جدنا لو ترى هذى الرذيات

اے کمینو! اور رزیلو! اور بکریاں چرانے والیوں کی اولاد (خدا تمہیں غارت کرے) اے ہمارے جد کاش آپ اپنی نام نہاد امت کی نازل کردہ مصیبتوں کو ہم پر دیکھتے۔

يا خير عصبة قد جادت بانفسها
حتى بارض الغاضريات

اے بہترین گروہ جو مقام غاضریہ میں اپنے جان پر کھیل گئے۔

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ مقتل عوالم صفحہ ۹۴ طبع ایران مناقب شہر آشوب صفحہ ۹۶ طبع بمبئی ابصار العین شیخ طاہر ساوی صفحہ ۳۰ طبع نجف اشرف ۱۳۲۱ھ

الموت تحت ذباب السیف مکرمۃ
اذا کان من بعدہ اسکان جنات

(جان لو) کہ تلوار کی باڑھ کے نیچے موت کا مزہ چکھنا یا بہشت میں پہنچنا یقینی ہو یہی عین رحمت اور بہتری ہے۔

لا تأسفن علی الدنیا و لذتھا
فقد جدی یغفر کل زلات

اے مرنے والو! اور لذات دنیا پر ہرگز افسوس نہ کرنا اس لیے کہ ہمارے جد، ہر لغزش کو بخشوائیں گے اور شفاعت کا ہو جانا یہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

ان اشعار کے پڑھتے ہی لشکر عمر سعد موت کی سیل کی طرح امنڈ کر حضرت عباسؑ پر چاروں طرف سے حملہ آور ہوا۔

شیر دل ہاشمی بہادر کا کیا کہنا جب آپ پر حملے ہونے لگے تو آپ نے بھی شجاعت علویہ کا مظاہرہ کرا دیا، اور اس شدومد سے حملہ کیا کہ سارے رن کانپ اٹھا اور بڑے بڑے بہادران فوج لڑنے سے جی چرانے لگے اور نامور ان لشکر اس طرح جان بچا کر بھاگے جیسے صدر اسلام میں بعض صحابی بھاگا کرتے تھے۔

اسی دھما چوکڑی میں مارد ابن صدیف جو بہادری میں اپنی آپ نظیر تھا، حضرت عباسؑ کی اس دلیری اور کم سنی پر سخت متعجب ہو کر جھنجلاتا ہوا دانتوں سے بدن کو کاٹنے لگا۔ اور غیظ وغضب کے عالم میں اس نے اپنے کپڑے فوراً پھاڑ ڈالے اور غصہ کی حالت میں لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا خدا تمہیں غارت کرے باوجودیکہ تم کثرت کی حیثیت سے اتنے ہو کہ اگر ایک ایک مٹھی خاک اس جوان پر دے تو یہ دب کر ابھی ابھی مرجائے مگر افسوس تمہاری کچھ بنائے نہیں بنتی اس کے بعد باواز دہل چیخ کر بولا، ایہا الناس! میں کہتا ہوں کہ جس کے گلے میں بیعت یزید کا طوق ہے اور جو اس کے احاطۂ

بیعت میں موجود ہے فوراً اس لشکر سے الگ ہو جائے کہ میں تن تنہا اس نوجوان کے لیے کافی ہوں جس نے بڑے بڑے ناموران لشکر کو تہ تیغ کر دیا ہے۔

جب یہ متکبرانہ آواز شمر بن ذی الجوشن کے کانوں تک پہونچی تو اس نے فوراً کہا، کہ اچھا تو ہی لڑ ہم ہٹے جاتے ہیں اور جنگ گاہ سے اپنا سر کائے لیتے ہیں اور یزید کو سارے واقعہ کی خبر کیے دیتے ہیں۔

اس کے بعد شمر نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگ فوراً الگ ہو جائیں یہ حکم پاتے ہی سارے لشکر والے پہلوتہی کر کے بیٹھ رہے اور دور سے تماشہ دیکھنے لگے۔

ماردا ابن صدیف فیل مست کی طرح جھومتا ہوا حضرت عباسؑ کی طرف تن تنہا چلا۔ اس کے بدن نجس پر آہنی زرہ اور سر پر فولادی خود تھا اور ایک اسپ اشقر پر سوار تھا اور اس کے ساتھ میں ایک نہایت ہی لمبا نیزہ تھا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ملاحظہ کیا کہ مارد تن تنہا آرہا ہے، آپ فوراً اس کی طرف بڑھے اور اس سے بالکل متصل ہو گئے وہ غرور کا مارا فوراً چلا کر بولا، کہ اے نوجوان خیریت اسی میں ہے کہ تو اپنے ہاتھ سے تلوار پھینک دے اور فن سپہ گری کے رموز کو ظاہر کر وہ لوگ جو پہلے لڑنے آئے تھے وہ سب نہایت ہی ست اور تیرے اوپر رحم کرنے والے تھے۔ لیکن میں ایسا شخص ہوں کہ خداوند عالم میری اصل خلقت سے نرمی اور خدا ترسی کو نکال ڈالا ہے اور اس کے عوض میں شقاوت اور عداوت میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہے، اے نوجوان! (عباسؑ) یاد رکھ کہ میں وہ ہوں کہ جس پر حملہ آور ہوا اس کو ذلیل کر چھوڑا جس پر تلوار اٹھائی اس کو فنا کر ڈالا، اب تیری جوانی اور ملاحت پر جب نظر کرتا ہوں طبیعت میں نرمی دوڑ جاتی ہے، میں نہیں چاہتا کہ تجھے تہ تیغ کر ڈالوں، لہٰذا میں تجھ سے کہتا ہوں کہ رزم گاہ کی زمین کو دم بھر میں چھوڑ دے اور یہاں سے چلا جا اور اپنے زچھے خاصے نفس کو ضائع

و برباد نہ کر دیکھ (عقل منداں را اشارہ کافی است) عقل مندوں کے لیے اشارہ کافی ہے یعنی ابھی کہہ رہا ہوں کہ چلا جا، اگر عقل سے کام لیا تو، تو بچ جائے گا ورنہ تیرا بچنا بہت ہی دشوار ہے، اے نوجوان آج سے قبل میں نے کبھی رحم کا استعمال نہیں کیا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق مارد کے اشعار:

اس کے بعد مارد ابن صدیف نے حسب ذیل اشعار (زعم ناقص میں) حضرت عباسؑ کے نصیحۃً پڑھے۔

نصحتك ان قبلت نصيحتي
خوفاً عليك من الحسام القاطع

(اے عباسؑ بن علیؑ) میں تم کو کاٹنے والی تلوار کی ضرب سے ڈرا کر نصیحت کرتا ہوں اگر (تم میری نصیحت کو قبول کرو گے تو اچھے رہو گے)

مارق قلبي في الزمان على فتى
الا عليك فكن لقولي سامع

ابتدائے زمانہ سے آج تک تمہارے علاوہ کسی جوان پر میرا قلب نرم نہیں ہوا (دیکھو) میرے اس قول کو کان دھر کے سنو۔

واعط انقياد تعيش او غد عيش
الا اذ و قك من عذاب واقع

دیکھو! میں تم کو اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں، اگر طوق اطاعت گردن میں ڈال دو گے تو بڑے مزے کی زندگی بسر ہوگی نہیں تو میں تم کو سخت اور ضروری الوقوع غذا کا مزہ چکھا دوں گا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے ان اشعار کے سنتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ اے دشمن خدا

جو کچھ تو نے کہا میں نے گوش ظاہر سے سنا۔ مگر تیری محبت بیکار ہے میں تیری اطاعت کرلوں یہ ناممکن ہے۔ ارے ملعون تو مجھے اپنے سے ڈراتا ہے۔ حالانکہ خدا سے ڈرنے والا کسی اور سے ہرگز ہرگز ڈر نہیں سکتا میں علی علیہ السلام کا فرزند اور حسین علیہ السلام کا بھائی اور غلام ہوں ان کے قدموں پر اپنی جاں نثاری کو عین اطاعت خدا و رسول سمجھتا ہوں اور یقیناً ان کی اطاعت عین خدا و رسول کی اطاعت ہے پھر میں تجھ سے ڈروں (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) اے ملعون تو جانتا ہے کہ میں شجر رسالت کی ایک شاخ ہوں اور جو ایسا ہو ظاہر اس کا توکل خدا پر کتنا ہوگا۔ ارے وہ شخص کیسے برائیوں سے متصف ہوسکتا ہے اور طاعت غیر میں داخل ہوسکتا ہے جو رسول اللہ کا خاص قرابت دار ہو اور جب کہ میرے پدر علی ابن ابی طالبؑ ہیں تو میں کیسے تلوار کی موت سے ڈر سکتا ہوں تجھے معلوم ہے کہ میں کسی کافر و رغادر سے خوف نہیں کھاتا اور نہ میں خدا کے حکم کے خلاف کچھ کرسکتا ہوں۔ اے کافر میں خاندان رسالت کا ایک فرزند ہوں اگر تجھ کو یہ خیال ہے کہ میں تیری اطاعت کرلوں گا تو یہ بالکل غیر ممکن اور محال ہے میں ہرگز ایسا شخص نہیں ہوں جو موت سے خوف کروں اور موت احمر سے ڈروں اور میں خوب جانتا ہوں کہ جنت دنیا سے بہت ہی بہتر ہے اور تجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعض کم سن اکثر سن سے بہتر ہوتے ہیں۔

علامہ دربندی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اس وقت اسی کے ردیف وقافیہ میں یہ اشعار پڑھے۔

صبرا علی جور الزمان القاطع
و میتہ ما ان لھا من دافع

ہم زمانہ مخالف کے ظلم پر صبر کر رہے ہیں اور موت کو کوئی روک نہیں سکتا

لا تجزعن فکل شئی ھالك
حاشا لمثلی ان یکون بجازع

تو مت گھبرا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور مجھ جیسا بہادر کبھی گھبراتا نہیں۔

فلما... ما نی الدھر منه ...ھم
و تفرق من بعد شمل جامع

اگر زمانہ نے ہم پر تیر چلائے اور ہماری جماعت کو منتشر کر دیا

فکم لنا من وقعة شابت لنا
قمم الا غز من ضراب قاطع

اور زمانہ میں ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں کہ نوجوانوں نے تجربہ کاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

جب مارد نے اس کلام بلاغت نظام کو سنا تو مثل عقاب شکستہ بازو ابن حیدرؑ کی طرف ان کے قتل کو آسان تصور کرتے ہوئے نہایت ہی تیزی سے جھپٹا، حضرت عباسؑ نے اس کے آنے سے کوئی ہراس نہ کیا اور اس ملعون کو حملہ کی صورت میں اپنی طرف سے نہ روکا وہ اپنی دلیری کے اثبات کے لیے اتنا بڑھا کہ حضرت عباس علیہ السلام کی لمبی سناں کے بالکل قریب آ گیا۔ فن سپہ گری کے ماہر حضرت عباس علیہ السلام نے فوراً اپنے زوردار ہاتھ کو بڑھا کر نیزہ کی انی کو تھام کر اس زور سے جھٹکا دیا۔ کہ قریب تھا کہ مارد منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

اس جھٹکے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مارد نے گھبرا کر نیزہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور حضرت عباس علیہ السلام نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ع

چھن گیا مارد مردود کا بھالا دیکھو

یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ مارد کو آب آب ہونا پڑا اور تکبر کا نہایت تلخ مزہ چکھنا پڑا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اسی ملعون کے نیزہ کو اس کی طرف بڑھا کر نہایت شدت سے حملہ کیا اور فرمایا کہ اے ملعون چاہتا ہوں کہ تجھ کو اس تیرے ہی نیزے سے دم بھر میں بے دم

کر دوں اور موت کے جام سے سیراب کر کے ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دوں۔ مارد مارے خوف کے کانپنے لگا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے اس کے اضطراب آگیں کیفیت کا پتہ چلا کر گھوڑے کی ساق پر اسی کا ایک نیزہ مارا، گھوڑا فوراً الف ہو گیا اور وہ ملعون جسم بے روح کی طرح زمین پر آ گرا۔ چون کہ وہ ملعون نہایت ہی موٹا تھا، اس لیے وہ حضرت عباس علیہ السلام سے پیدل جنگ آزمانہ ہو سکتا تھا سچ تو یہ ہے کہ زمین پر گرتے ہی اس کا سارا بدن خوف کے مارے پھول گیا اور وہ اس لائق نہ رہا کہ آپ سے پیدل مقابلہ کرے۔

لشکر کے کسی زبردست بہادر کی شکست پر یوں ہی ایک اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بہادر جو اپنی آپ نظیر سمجھا جاتا ہو اس کی شکست پر سارا لشکر کیونکر مضطراب پذیر نہ ہو۔ اس کے گرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ صفوف لشکر میں ہل چل مچ گئی۔

شمر ملعون نے بے تابانہ لشکر مارد کو پکارا کہ ارے غضب ہو گیا، مارد خود سر زمین پر گر پڑا ہے۔ تم لوگ فوراً اس کی کمک میں پہونچو اور ایک دوسرا گھوڑا اس کی خدمت حاضر کرو۔ یہ سنتے ہی فوراً ایک غلام حبشی صارفہ نامی ایک گھوڑے کو لے کر حاضر ہوا۔ جس کا نام طاویہ تھا جو تیز روی میں ہوا سے چار قدم آگے ہی رہتا تھا۔

مارد کی نظر جب غلام حبشی پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ صارف، طاویہ کو لیے ہوئے آ رہا ہے، فوراً چیخا کہ اے غلام موت آنے سے پہلے تو طاویہ کو مجھ تک پہونچا دے، غلام گھوڑا لے کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح جلد سے جلد طاویہ کو مارد تک پہونچا دے تاکہ اس پر سوار ہو کر مقابلہ کر سکے۔

طاویہ پر حضرت عباس کی سواری:

حضرت عباس علیہ السلام نے جب صارفہ کو دیکھا وہ طاویہ کو لیے ہوئے نہایت ہی

تیزی سے آ رہا ہے تو فوراً اس کی طرف بڑھ کر غلام کی گردن پر ایک پر زور نیزہ لگایا وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اپنے خون میں لوٹنے لگا آپ نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ کر فوراً طاویہ پر سواری کی اور تمام صفوف لشکر کو چیرتے ہوئے اپنے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب مارد نے حضرت عباس علیہ السلام کی اس دلیری کا مطالعہ کیا تو فوراً گھبرا کر تھرائی ہوئی آواز سے لشکر والوں کو پکارتے ہوئے کہا کہ ہائے عباسؓ میرے ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے ہیں اور مجھ کو یقین ہے کہ مجھے میرے ہی نیزہ سے فنا کریں گے۔
شمر ملعون نے جس وقت یہ آواز سنی فوراً آپ کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ ساتھ سنان بن انس نخعی اور خولی بن یزید اصحی اور جمیل بن مالک حجازی چلے اور ان لوگوں کے عقب میں سارا لشکر چلا۔ سب نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھالیں اور تلواریں برہنہ کر لیں۔
حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے فرمایا اے بھیا! ان دشمنان خدا و رسولؐ کو دیکھتے ہیں یہ آپ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ ابھی حضرت عباسؓ کا کلام ختم بھی نہ ہوا تھا کہ لشکر نہایت ہی تیزی سے امام حسینؓ کے قریب آ گیا۔
حضرت عباسؓ نے یہ ماجرا دیکھتے ہی فوراً مارد کی طرف جانے کی ٹھان لی اور اس کے پاس جا کر آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس چیز کا مزہ کیوں نہ چکھا دوں یہ تجھے جہنم کی یاد دلائے گی یہ کہہ کر آپ نے اس کے ہاتھوں پر ایک زبردست تلوار لگائی اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے آپ نے اس کے دوسرے نیزے پر بھی قبضہ کر لیا۔

حضرت عباسؓ کی غلامی کا اقرار:

جب مارد نے اپنے قتل ہو جانے کا یقین کر لیا تو فوراً حضرت عباسؓ کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ اے عباسؓ خدا کے لیے مجھ کو چھوڑ دو۔ میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھ ایسے غلام کو لے کر کیا کروں گا اس کے بعد آپ نے

ایک نیزہ اس کے کان پر ایسا لگایا کہ وہ آر پار ہو گیا پھر آپ نے اور لشکر والوں پر شیرانہ حملہ کر کے طاویہ کو کاوا دیتے ہوئے ڈھائی سو سواروں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس سے قبل پانچ سو بیس دشمنوں کو قتل کر چکے تھے۔ لہٰذا سارا لشکر خوف سے درہم و برہم ہو گیا اور سب جی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

کیا کہنا حضرت عباس علیہ السلام کو زبردست فتح ہوئی اور کیوں نہ ہوتی اگر ادھر "مارد شیطانی لباس میں تھا تو ادھر فخر آدم اور بنی آدم حضرت عباس علیہ السلام حفاظت ربانی میں تھے۔" دشمن اگر قوی است نگہباں قوی ترست" وہ ان کی حفاظت میں لگا ہوا تھا **حفظا من کل شیطان مارد** خدا کا قول آپ کے معین تھا۔ اسی دوران میں جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام سے فرمایا کہ بھائی اب تم ٹھہر جاؤ اب تمہارے عوض میں میں لڑوں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا کہ بھیا حکم خدا سے مفر نہیں اور نہ گریز ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ پھر لڑنے لگے اور سارے لشکر کو بہت دور کر کے اپنے برادر شفیق حضرت امام علیہ السلام کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

شمر کی زبانی طاویہ کی ہسٹری:

اتنے میں شمر پکارا تھا کہ یا علیؑ ابن ابی طالب آج تم نے مارد سے طاویہ کو واپس لے لیا اے عباس علیہ السلام یہ وہی گھوڑا ہے جو مدائن میں تمہارے بھائی حسن علیہ السلام سے چھین لیا گیا۔

یہ سن کر حضرت عباس علیہ السلام اسی گھوڑے پر سوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے اور شمر کے قول کو نقل کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یہ وہی طاویہ ہے جو ملک (رے) کے حاکم کی سواری کا خاص گھوڑا تھا جس کو تمہارے پدر بزرگوار نے تمہارے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام کو دیا تھا اور اس گھوڑے کو بوقت قیام مدائن دشمنوں

نے چرالیا تھا۔

فلما وصل الی اخیه الحسن علیه السلام ذکر له مقالات الشمر فقال نعم هذه طاویه التی کانت لملك الرے فلما قتله ابوك وهبها لا خیك الحسن علیه السلام ورحل عنها یوم سبط المدائن.

حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہونچ کر شمر کے کلام کو دہرایا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ طاویہ ملک رے کے بادشاہ کا تھا جب، تمہارے باپ نے اس کو قتل کیا تو، تمہارے بڑے بھائی امام حسنؑ کے حوالہ کیا جو قیام مدائن کے زمانہ میں چوری چلا گیا تھا

جب طاویہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پہونچا تو اپنے سر کو حضرت کے دامن مبارک سے اس طرح ملتا تھا، جس طرح ہر وقت کا موجودہ جانور اپنے آقا کے دامن سے ملے یعنی طاویہ اپنے معرکہ دامن امام حسین علیہ السلام سے ملک اپنی دیرینہ محبت کا ثبوت دیتا تھا، اور گویا زبان حال سے نہایت خوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا کہ۔ ''حق بحق دار رسید''۔ [1]

حضرت عباس علیہ السلام کی رخصت آخری

بعض کتب مقاتل اس بات کی ترجمان ہیں کہ مارد سے مقاتلہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ بھیا، اب خیمہ میں جا کر رخصت ہولو، مگر یہ سمجھ کر رخصت ہونا گویا اب تم علاوہ قیامت کے ان لوگوں پھر نہ ملوگے، یہ سنتے ہی حضرت عباسؑ خیمہ کے اندر داخل ہوئے اتنے میں آپ کی زوجہ محترمہ اور دونوں بچوں نے لپٹ کر

[1] نور العین فی مشہد الحسین علیہ السلام از صفحہ ۳۸ تا ۴۲ طبع مصر، اسرار الشہادت علامہ دربندی صفحہ ۳۱۹ و ۳۲۰ طبع ایران

آپ کا دامن تھاما اور زبان حال سے کہنا شروع کر دیا۔ کہ اس بے آب و گیاہ جنگل میں آپ ہم کو کس پر چھوڑے جاتے ہیں، آپ کے بعد ہمارا کون خبر گیر ہوگا۔ اے میرے مالک ہماری کوئی سبیل تلاش کراتے جایئے۔

اس کے بعد بچوں نے العطش کا نعرہ کیا اور پیاس سے اپنی بے چینی کو واضح کرتے ہوئے گویا ہوئے کہ اب ہم بہت پیاسے ہیں، ہم کو تھوڑا سا پانی پلایئے، حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ اچھا مجھے چھوڑ دو میں جاتا ہوں۔

ابھی ان لوگوں سے دامن چھوٹنے نہ پایا تھا کہ ناگاہ امام حسین علیہ السلام نے آواز دی کہ اے عباس علیہ السلام خبر لو۔

حضرت عباس علیہ السلام دامن چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ کیا دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کو لشکر گھیرے ہوئے ہے حضرتؑ نے ان سے مقاتلہ کر کے سارے لشکر کو ہٹا دیا۔

ثم انه قال للعباس داخل الى الحريم و ودعهم وداع من لا يعود فدخل و كان له زوجة و ولدين فلا قوقو قالوا له قد اشتد بنا العطش فقل لهم مهلا ثم انه سمع اخاه الحسين وهو يقول ادركني فخرج اليه و...... ص هم. [1]

امام حسین علیہ السلام نے کہا کہ اے عباس علیہ السلام اب خیمہ میں جا کر اہل حرم سے اس طرح رخصت ہو لو، کہ جیسے اب پلٹ کر نہ آؤ گے۔ یہ سن کر آپ داخل خیمہ ہوئے آپ کی زوجہ اور دونوں بچے دامن سے لپٹ کر کہنے لگے کہ "ہائے" اب پیاس مارے ڈالتی ہے۔ حضرت عباسؑ نے تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا۔ ذرا ٹھہرو ابھی لاتا ہوں (ابھی یہ مکالمہ ختم نہ ہوا

---

[1]. اسرار الشہادت صفحہ ۳۰۲ طبع ایران۔

تھا) سنا کہ بھیا خبر لیجیے، یہ سنتے ہی حضرت عباس علیہ السلام (دامن چھڑا کر) امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور ان ملاعین کو دور کر دیا۔

حضرت عباس علیہ السلام کا نہر فرات میں اترنا

سقائے حرم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ٹڈی دل فوجوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بہ ہزار دقت و دشواری شط فرات پر پہونچے **فھمز فرسہ الی الماء** اور فوراً اپنے گھوڑے کو پانی میں ڈال دیا وارادان **یشرب الماء** پانی پینے کا ارادہ کر کے چلو بھر لیا **فذکر عطش الحسین و اطفالہ و عیالہ** لیکن فوراً امام حسین علیہ السلام اور ان کے چھوٹے بچوں کی پیاس یاد آگئی۔

دل عباس میں محبت حسین علیہ السلام کی لہر:

اللہ رے وفادار اور محبت کا خوگر آپ نے فوراً اپنے ہاتھ سے پانی پھینک دیا **فرمی الماء من یدہ و قال واللہ لا ذقت الماء ولا اشربہ و اخی الحسین و عیالہ و اطفالہ عطاش لا کان ذالک ابدا** اور فرمایا خدا کی قسم جب تک حسینؑ اور ان کے اہل و عیال پیاسے رہیں گے، اس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں کہ میں پانی کا مزا چکھوں یا پیوں۔ [1]

اگر کائنات عالم کے چپے چپے کا جائزہ لیا جائے اور دنیا کے ہر گوشہ میں چکر لگا کر ایسا وفادار تلاش کیا جائے تب بھی سقائے حرم کی نظیر ناممکن ہوگی۔ پانی پینا تو بہت دور ہے یہ تک گوارا نہ کیا کہ عباسؑ کا ہاتھ پانی سے تر رہے اس کے علاوہ آپ کی وفاداری اور ہمدردی اسی سے ظاہر ہے کہ آپ نے پانی ہاتھ میں لیتے ہی ذکر عطش حسینؑ پر فوراً ہاتھ سے

---

[1] تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۹ طبع ایران وانوار الشہادت صفحہ ۵۶ طبع لاہور

چھینکتے ہوئے فرمایا کہ پانی پینا تو درکنار جب تک حسینؑ اور ان کے اطفال پیاسے رہیں گے پانی کا مزہ نہ چکھوں گا۔

یا نفس هو لی والحسین معطش
و بنوه والحرم المطهرا جمع

حضرت عباسؑ نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا: اے نفس پانی پینے میں جلدی نہ کر (ذرا غور تو کر) کہ حسینؑ اور ان کے بچے اور حرم مطہر سب کے سب بے حد پیاسے ہیں۔

واللہ لا اشرب من الماء قطرۃ
و اخی حسین ؑ بالعراق مضیع

خدا کی قسم میں ایک قطرۂ پانی کا نہ پیوں گا (اور کیسے پیوں) جب کہ اس شہر میں ہمارے بھائی حسینؑ کی بے حرمتی ہو رہی ہے، اس کے بعد آپ نے فوراً اپنے ہاتھ سے فرات میں پانی پھینک دیا۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

لهفی علی العباس لما ان دنی
نحو الفرات بقبله الحران
فاراد شرب الماء نادی نفسه
و احسر تا للسید العطشان

ترجمہ:

کس قدر افسوس ناک ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام بقلب سوزاں بہنر اروقت جب نہر فرات تک پہونچے تو آپ نے چاہا کہ پانی پیوں ابھی خشک ہونٹوں تک پانی کی تری بھی نہ پہونچی تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیاس یاد کر کے اپنے نفس سے بولے کہ

افسوس کہ تو پانی پیے اور حسین علیہ السلام پیاسے رہیں (یہ ناممکن ہے اس کے بعد پانی پھینک دیا۔)۔[1]

شعر

بگریہ گفت کہ عباسؑ خاک بر سر تو
ستادہ است بمیدان کیں برادر تو
مخدرات رسول کبار بیتابند
در این قضیہ ہم تشنہ لب و بے آب اند
تو آب میخوری اے بے ادب حیائے تو کو
بودہ پدر مہرباں وفائے تو کو

ارباب نظر جانتے ہیں کہ آپ نے چلو سے پانی نہر فرات کے اندر ڈال دیا۔ پس مشک را پر از آب نمود و بر دوش راست خود کشید، اور مشکیزہ کو پانی سے بھر کر داہنے کندھے پر رکھا اور فرات سے باہر نکلے۔

براویت ابی مخنف اس وقت آپ نے حسب ذیل اشعار زباں زد فرمائے۔

یا نفس بعد الحسین ھونی
فبعد لا کنت ان تکونی

اے نفس امام حسینؑ کے بعد تیرا وجود بالکل بیکار اور عبث ہے میں نہیں چاہتا کہ تو ان کے بعد رہے۔

ھذا الحسین شارب المنون
تشربین بارد المعین

[1] تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۵ طبع ایران

اے نفس کس قدر افسوس ناک ہے کہ حسینؑ فرزند رسول ثقلین تو موت کا جام پئیں اور تو خوشگوار پانی سے سیراب ہو

هيهات ما هذا فعال ديني
ولا فعال صادق الامين

افسوس صد افسوس اے نفس (آگاہ ہو) یہ ہمارا دینی شعار نہیں ہے اور نہ کسی سچے ایمان دار کا یہ فعل ہو سکتا ہے کہ حسینؑ جیسا کامل انسان پیاسا رہے اور تو پانی پی لے۔

ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے نفس حسینؑ کے بعد (اگر تو بفرض محال) رہنا چاہے تو میں زندہ رہنے نہ دونگا۔

یعنی یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا، کہ حسینؑ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے فرط عطش سے بے چین ہوں اور عباسؑ پانی پی لے، سچ ہے وفاداری اسی کا نام ہے اس کے بعد ساحل فرات سے برآمد ہو کر مشک لادے ہوئے تشنہ لب خیمہ کی طرف چلے۔

بدریا پانہاد و خشک لب بیروں شد از دریا
مروت ہیں جواں مردے بنگر غرے نافگن۔ [1]

پانی پہونچانے کے متعلق حضرت عباسؑ کی دوسری دعا

عربی کا ایک مشہور جملہ الكريم اذا وعد وفا یعنی جب کوئی کریم کسی سے وعدہ کر لیتا ہے تو پھر اس کا فریضہ اولی یہی ہوتا ہے کہ جب تک جسم و روح میں تعلق ہے اور قصر تن میں نفس کی آمد و شد ہے اس کو وفا کرے۔

حضرت عباسؑ جس وقت خیمہ سے روانہ ہوئے تھے تو قتیل عطش چھوٹے چھوٹے بچوں سے وعدہ کیا تھا کہ تم لوگ صبر کرو، ہم ابھی دم بھر میں پانی لاتے ہیں، ایک تو

[1] تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۸۰ طبع ایران، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۰۹ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ

وعدہ وفائی کا خیال دوسرے محبت کی لہر یہ دو ایسے عظیم و جلیل امر تھے کہ جو حضرت عباس کو اس بات پر مجبور کر رہے تھے کہ آپ کسی نہ کسی طریقہ سے خیمہ تک پہونچ جائیں۔

چنانچہ بارگاہ ایزدی میں آپ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو بلند کر کے بصد گریہ آہ عرض کی **الٰھی اوصلنی الیھم** اے میرے پالنے والے کسی نہ کسی طرح مجھے ان پیاسے بچوں تک پہونچا دے تا کہ میں اپنے وعدے سے سبک دوش ہو جاؤں اور ان کی پیاس بجھے اور میرے دل میں ٹھنڈک پہونچے۔ [1]

خیمہ تک پانی پہونچانے میں حضرت عباسؑ کی جدوجہد

جب حضرت عباسؑ فرات سے باہر آئے تو یہ خیال کر کے کہ کسی نہ کسی طرح خیام اہل حرم تک پانی پہونچ جائے آپ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے ادھر آپ کو اس بات کی کد کہ پانی خیمہ تک پہونچ جائے، تا کہ سوختہ دل بچوں کی پیاس بجھے ادھر قوم اشقیاء کو یہ ضد کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حدود خیمہ تک نہ پہونچنے پائے۔ عجیب کش مکش کا عالم تھا آخر شیر دل بہادر نے گھوڑے کو مہمیز کر کے خیمہ کی راہ لی۔

ابھی چند گام بھی نہ چلے تھے کہ فوج اشقیا نے پیاسے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ **فحاربھم محاربۃ عظیم**۔ پھر کیا علیؑ کا شیر بپھر گیا اور مشکیزہ کو سینہ سے لگا کر وہ گھمسان کی جنگ کی کہ طبقات ارض کے دل دہلنے لگے۔

چنانچہ آپ نے دم کے دم میں سیکڑوں دشمنوں کو ساحل زندگی سے موت کے گھاٹ اتار دیا، سارا میدان صاف نظر آنے لگا۔ جب اشقیا نے یہ جرأت و ہمت دیکھی، سب جمع ہو کر یکبارگی حسینؑ کے قوت بازو پر ٹوٹ پڑے اور حملہ کرنا شروع کر دیا۔ تیروں

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۵۶ طبع لاہور

کی وہ کثرت تھی کہ میدان سیاہ نظر آرہا تھا۔

ہجوم آوردہ از ہر سو سواراں
نمودندش، نشان تیر باراں
سیہ شد آں چناں دشت پر از تیر
کہ مرغ نالہ عاجز شد شب گیر

حضرت عباسؑ کے بدن پر تیروں کی کثرت:

بروایت منتخب آپ پر تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ آپ کا سارا بدن مثل ساہی کے ہو گیا تھا۔

البنال من کل مکان حتی صار جلدہ کا تضفد من کثرة البنال.

آپ پر چاروں طرف سے تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ آپ کا بدن تیروں کی کثرت کے سبب سے ساہی کی طرح ہو گیا تھا یعنی آپ کے بدن پر اس قدر تیر چبھے ہوئے تھے، کہ جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے۔

اب ذرا انصاف پرور اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کے فرمائیں کہ ایسے سخت اور عظیم وقت میں کوئی کسی کو یاد کر سکتا ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں اپنے نفس کی حفاظت کے علاوہ کسی بشر کے ذہن میں کسی غیر کا خیال نہیں ہو سکتا، مگر صد آفریں ایسے وفادار کی جاں بازی پر کہ جس کے جسم مطہر پر اس طرح تیر چبھے ہوں کہ جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود پھر وہ اپنے دل میں حسینؑ اور اطفال حسینؑ کا خیال کیے ہوئے صرف اس بات کی پے در پے کوشش کرتا ہو کہ چاہے قصر تن جوہر روح سے خالی ہو جائے اور

عباسؑ فنا کے گھاٹ اتر جائے مگر کسی صورت سے خیام اہل حرم تک پانی پہونچ جائے یہی سبب تھا کہ آپ گھبرا گھبرا کر ظاہری نظروں سے داہنے بائیں دیکھتے تھے لیکن دل کی نظر خیمہ سے لڑی ہوئی تھی۔

نظر بر یمین و یسار سپاہ
دلش گرم نظارۂ خیمہ گاہ۔[1]

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت جب کہ آتش حرب بھڑک رہی تھی اور وہ سپاہی بہادر نبرد آمائی میں مشغول تھا تو ایسے نازک وقت میں آپ کے داہنے بائیں نظر کرنے کا مفاد کیا تھا '' کیا '' کسی مددگار کو تلاش کر رہے تھے '' نہیں نہیں '' عباسؑ جیسے جری و بہادر سے یہ امر کوسوں دور ہے کہ وہ کسی معین و مددگار کو تلاش کریں اور اس کے ذریعہ سے اپنی جان بچانے کی کوشش کریں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ علی کا شیر دشمنوں کے حصار میں اسی طرح گھرا ہوا تھا، جیسے جنگل کا شیر کسی آہنی کٹہرے میں کھڑا ہو، آپ داہنے بائیں یہ ملاحظہ کرتے تھے کہ اگر کسی طرف سے ذرا سا بھی راستہ مل جائے تو میں نکل کر تشنہ لب حسینؑ کی خدمت میں پانی پہونچا دوں تا کہ جاں بلب بچوں کی زیست مشکل نہ ہو جائے۔

حقیقۃً یہ وہ جاں باز ہے کہ جس کی نظیر کائنات میں موجود نہیں اور صفحات تواریخ اس کی مثل سے قاصر ہیں۔ اگر باشندگان عالم ایسے جاں باز گریہ کن ہوں اور تا مدت العمر روتے رہیں تب بھی کم ہے۔

لوگ ایسے ہی جاں بازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۵۶ طبع لاہور، تحفۂ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۸ طبع ایران

داہنے ہاتھ کٹنے پر حضرت عباسؑ کی رجز خوانی

تواریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ اسد اللہ کا شیر اور ابن رسول اللہ کا قوت بازو مشک کو سینے سے لگائے ہوئے خیمہ تک پہونچنے کی کوشش میں حملو پر حملہ کرتا ہوا جا رہا تھا۔

فحمل علیه نوفل بن الارزق فضربه علی یده الیمنی فقطعها.

ناگاہ نوفل ابن ارزق شامی نے ایسا حملہ کیا کہ دست راست بدن اطہر سے جدا ہو گیا۔

علامہ افرائی کہتے ہیں فبراها کبری القلم یعنی داہنے ہاتھ کو بدن اطہر سے قلم کی طرح تراش دیا، داہنے ہاتھ کٹنے پر حضرت عباسؑ نے فوراً مشک وعلم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور نبرد آمائی میں مشغول ہو گئے، آپ لڑتے جاتے تھے اور حسب ذیل اشعار بطور رجز پڑھتے جاتے تھے۔

والله ان قطعتم یمینی
انی احامی ابداً عن دینی

خدا کی قسم (اے دشمنان خدا) اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قلم کر دیا ہے (تو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ میں خاموش ہو بیٹھوں گا بلکہ) میں اپنے سچے دین کی مدد کرتا رہوں گا۔

و عن امام صادق الیقین
نجعل النبی الطاهر الامین

اور اپنے اس امام کی مدد کرتا رہوں گا، جو سبط رسول الثقلین (حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں)۔

نبی صدق جاءنا بالدین
مصدقا بالواحد الامین

وہ سچے نبیؐ جو ہم میں دین لے کے آئے (اور) اللہ کی تصدیق کرتے ہوئے آئے۔

اللہ اکبر نثار ہو جائیں مومنین کی جانیں حضرت عباس علیہ السلام کی جاں بازی پر داہنے ہاتھ کٹنے کے بعد آپ نے بائیں ہاتھ سے حملہ کرنا شروع کر دیا اور ایک سو اور بروایت علامہ اسفرائنی پچاس دشمنان خدا کو جام موت سے سیراب کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مدہوش کر دیا۔[1]

علامہ دربندی اپنی کتاب اسرار الشہادت کے صفحہ ۱۳۱ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عباس علیہ السلام کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا تو آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کر کے حسب ذیل اشعار پڑھے:

اقدم حسینا هادیا مهدیا
الیوم نلقی جدك النبیا
و حمزه و المرتضیٰ علیاً
وتلق حقا فاطمه الزکیا

حضرت عباسؑ کے بائیں ہاتھ کٹنے کا واقعہ اور نفس سے مخاطب

جب آپ کا داہنا ہاتھ قطع ہو چکا تو آپ نے بائیں ہاتھ سے مقاتلہ شروع کر دیا، آپ برابر لڑ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ پر ضعف شدید طاری ہو گیا اتنے میں بروایت

---

[1] نور العین علامہ اسفرائنی صفحہ ۱۳ طبع مصر۔ بحار الانوار علامہ مجلسی طبع ایران، انوار الشہادت علامہ یزدی صفحہ ۵۷ طبع لاہور، تحفہ حسینیہ علامہ بسطامی جلد ۱ صفحہ ۱۸ طبع ایران، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹ طبع بمبئی۔

بحارالانوار علامہ مجلسی طبع ایران و انوار الشہادت علامہ یزدی صفحہ ۵۷ حکیم ابن طفیل ملعون جو درخت خرمہ میں چھپا ہوا بیٹھا تھا، ایک ایسی ضرب لگائی۔

قطع یدہ الیسری من الزند

کہ بایاں ہاتھ گٹے سے کٹ گیا اور بروایت نورالعین علامہ اسفرائنی صفحہ ۱۴۱۔

قرب منه عبداللہ ابن شهاب کلبی فقطع شماله

آپ کے پاس عبداللہ ابن شہاب کلبی نے پہونچ کر بایاں ہاتھ کاٹ دیا بہرحال جب آپ کا بایاں ہاتھ بھی جدا ہو گیا تو آپ نے حسب ذیل اشعار اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے۔

یا نفس لا تخشی من الکفار
والبشرئ برحمة الجبار

اے نفس کفار سے خوف نہ کر اور اللہ کی رحمت اور خدمت رسولؐ میں پہونچنے کا بشارت (کے ساتھ انتظار) یعنی تو اس امر سے برداشتہ خاطر نہ ہو کہ ہاتھ کٹ چکے ہیں اب کیسے مقابلہ ہوگا، اس لیے کہ اگر اب لڑنا دشوار ہے تو رحمت خدا میں اور خدمت رسولؐ خدا میں پہونچنا تو آسان ہے۔

قد قطعوا ببغیهم یساری
فاصلهم یا رب حر النار

اے میرے پالنے والے ان لوگوں نے میرے بائیں ہاتھ کو بھی اپنی بغاوت سے قطع کر دیا ہے الہذا تیری بارگاہ میں دعا ہے کہ تو ان کو واصل جہنم کر (تاکہ میرے اور حسینؑ کے دل کو ٹھنڈک پہونچے)۔ [1]

---

[1] تحفۂ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۸ طبع ایران، بحارالانوار علامہ مجلسی طبع ایران

ہاتھوں کے قلم ہونے پر حضرت عباسؑ کی فریاد

دونوں ہاتھ کٹے خون جاری ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے قوم جفا کار

هکذا لاقی جدی المصطفیٰ ﷺ و ابی علی المرتضیٰ ؑ۔

میں اسی طرح جد محترم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ ؑ سے ملاقات کروں گا۔ [1]

حضرت عباسؑ نے دونوں ہاتھوں کے کٹنے پر مشک و علم کیا کیا

حقیقۃً یہ ایک نہایت ہی اہم سوال ہے کہ جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو پھر اس وقت علم بردار فوج حسینؑ نے کیا کیا اور کیسے علم کو سنبھالا اور کیوں کر مشکیزہ کو محفوظ رکھا۔

کتب مقاتل کی اوراق گردانی بتلاتی ہے کہ قوت بازوئے حسینؑ کے جب ہاتھ کٹ چکے اور علم زمین کی طرف چلا اور قریب تھا کہ علم اسلام سرنگوں ہو کے رہ جائے تو آپ نے جعفر طیار ؑ کی ضربه الی صدره اپنے سینے سے لگا لیا۔ [2]

اب رہ گیا مشکیزہ جو آپ کی جان کے برابر تھا بلکہ یوں کہوں کہ جس کے اندر حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے آب حیات بھرا تھا اس کو آں حضرت نے کیا کیا کیسے محفوظ رکھا، تاریخ کی کتابیں اس کو ان لفظوں میں حل کر رہی ہیں فحمل القربة بسنانه کہ جب دونوں ہاتھ کٹ چکے تو ملک وفا کا بادشاہ حسینؑ کی محبت کا اظہار کرتے ہوئے فوراً مشک کو دانتوں سے محض اس لیے دبا لیتا ہے کہ کسی طرح خیمۂ حسینؑ تک پانی

---

[1] نور العین فی مشہد الحسین صفحہ ۴۲ طبع مصر

[2] نور العین صفحہ ۴۱ طبع مصر و ابصار العین صفحہ ۳۰ طبع نجف اشرف و اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۱ طبع ایران

پہونچ جائے۔ [1]

پانی پہونچانے کے متعلق حضرت عباسؑ کی تیسری دعا

تشنہ لب بہادر اپنے سینہ اطہر سے مشک وعلم لگائے ہوئے چوٹوں پر چوٹیں کھاتا ہوا سوئے خیمہ جارہا تھا، یہاں تک کہ جب کثرت ضرب سے اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب خیام تک پانی نہ پہونچ سکے گا تو فوراً سر اطہر کو محض اس لیے کہ ہاتھ کٹ چکے تھے، بلند کر کے درگاہ قاضی الحاجات میں مایوسانہ لہجے میں گڑگڑائی ہوئی آواز سے عرض کی اللھم ان اطفال الحسین عطشان اے میرے پالنے والے حسینؑ کے چھوٹے بچے پیاسے ہیں، مجھے صرف اتنی مہلت دیدے، کہ ان کے خشک لبوں کو تر کردوں یعنی حضرت عباسؑ کا مطلب یہ تھا کہ اے میرے پالنے والے میں جانتا ہوں رشتۂ حیات عن قریب منقطع ہوجائے گا اور تن وروں میں جدائی ہوکے رہے گی مگر صرف اتنی تمنا ہے کہ میں پانی خیمۂ حسینؑ تک پہونچادوں۔ [2]

حضرت عباسؑ کی کوشش کہ میں پہونچا دوں آب
تیر کو یہ ضد کہ مشکیزے میں پانی رہ نہ جائے

حضرت عباس علیہ السلام کی دلی حسرت دل ہی میں رہ گئی

کتب تواریخ کے دیکھنے والوں کے پیش نظر ہے کہ حضرت عباسؑ نے جب سے خیمہ چھوڑا تھا اسی وقت سے اپنے دل میں یہ حسرت لیے ہوئے تھے۔ کہ کسی نہ کسی صورت

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ طبع بمبئی، تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ طبع ایران، انوار الشہادت صفحہ ۵۷ طبع لاہور، اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۱ طبع ایران وغیرہ

[2] انوار الشہادت صفحہ ۵۷ طبع لاہور

خیمۂ اہلبیت میں پانی پہونچ جائے، اس پانی پہونچانے کے خیال سے آپ تمام دشمنوں سے بے پناہ جنگ کرکے داخل فرات ہوئے اور تشنہ لب دریا سے محض مشک بھر کر نکل آئے، ملاعین نے لاکھوں حملے کیے تیروں کی شدید بارش ہوئی دونوں ہاتھ برف کی طرح کاٹے گئے، آپ نے سب کچھ برداشت کیا مگر اس امر کی پے در پے کوشش کرتے رہے کہ حسینؑ کے بچے سیراب ہوجائیں، چاہے عباسؑ آب فرات کے بجائے آب شمشیر سے سیراب ہوجائے۔

مشک پر تیر لگنا:

آہ آہ! وہ مشک جس میں عباس علیہ السلام تشنہ کامان کربلا کے لیے آب حیات بھر کر سینے کے نیچے چھپائے ہوئے خیمہ کی طرف لیے جارہے تھے۔ **فجاءہ سھم فاصاب القربۃ و اریق ماءھا**۔ ناگاہ اسی گیرودار میں ایک تیر ستم آکر مشک پر لگا اور سارا پانی عباسؑ کے خون کی طرح بہ کے رہ گیا۔

مشک پر ناوک لگا عباسؑ کی ہمت گھٹی
مل گئیں مایوسیاں بگڑی ہوئی تقدیر میں

گرکہ حضرت عباسؑ نے کسی ممکن صورت کی کوشش پانی پہونچانے میں اٹھا نہ رکھی تھی، حفاظت کے ساتھ خیمہ میں لارہے تھے، مشکیزہ کو ہر دم سینہ سے لگائے رہنا، اور جب ایک ہاتھ کٹا دوسرے میں لے لینا اور جب دوسرا ہاتھ قطع ہوا، دانتوں سے دہانہ دبا کر مشکیزہ کو دل کے برابر رکھنا، یہی وہ اسباب تھے جو آپ کی انتہائی جان فشانی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اللہ رے دشمنی کہ حضرت عباسؑ جس قدر مشکیزہ کی حفاظت فرماتے تھے، اتنا ہی تیر باری میں اہل کیں زیادتی کرتے جاتے تھے۔

تیر باری دشمنان دیں کی یکساں ہی رہی

مشک کو عباسؑ ہر پہلو بدلتے ہی رہے

پانی کے بہنے پر حضرت عباسؑ کا اضطراب:

ادھر پانی بہا ادھر عباسؑ نے خون کے آنسو رونا شروع کر دیے اور فرمایا کہ جب اتنی کوشش پر بھی میں خیمہ اہل حرم تک پانی نہ پہنچا سکا تو اب خدا موت ہی دے۔ ''بچہ طریق جواب تشنہ لب بچوں کو کیا جواب واطفال راد ہم''۔ ہائے پیاسی عورتوں اور تشنہ لب بچوں کو کیا جواب دوں گا۔ یہ سب سوچ کے آپ نے سراطہر نہایت مایوسی کے عالم میں قربوس زین پر نہیوڑا دیا۔

چوں آب ریخت جبہ بقربوس زیں نہاد
از انفعال تشنہ لباں تن بہ مرگ داد [1]

حضرت عباسؑ کی شہادت کے دل خراش حالات

پہلو میں انصاف پرور دل اور خانہ دماغ میں جوہر فہم و عقل رکھنے والوں کی انسانیت افروز فطرت کا تقاضہ ہے کہ حضرت عباسؑ کے وہ کارنامے جو ۶۱ھ میں دنیا اور مافیہا کے لیے سبق آموز بن چکے ہیں جو قلوب اہل عرفاں پر تا قیام قیامت ضوافگنی کرتے رہیں گے، ان کو سونے کے پانی سے رقم کر کے دلوں کے اندر جگہ دیں، اگر تمام واقعات اور جانبازوں سے قطع نظر کر لی جائے اور اسوقت کا کارنامہ ملاحظہ کیا جائے جو حیات کے آخری لمحات گزیں کے وقت عالم وقوع میں آئے تو اس سے وفاداری کا سبق مل سکتا ہے اللہ رے جاں بازی آپ دونوں ہاتھ قلم کی طرح تراشے جا چکے ہیں، پیاس کا بے پناہ غلبہ ہے، سارے بدن سے خون جاری ہے، تیروں کی ایسی بے پناہ بارش کہ

[1] تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۸۰ انوار الشہادت صفحہ ۵۷ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ طبع بمبئی ۱۳۰۹

الٰہی توبہ ایسے سخت اور نازک وقت میں حضرت عباسؑ اپنے بے نظیر جوہر شجاعت دکھا رہے تھے۔

حضرت عباسؑ کے سینہ پر تیر ستم کی پیوستگی:

فجاءہ سھم فاصاب صدرہ کہ ناگاہ ایک تیر ستم اڑتا ہوا آیا اور سینہ حضرت عباس علیہ السلام کو توڑ دیا، اب ذرا کوئی انصاف والا بتائے کہ ایسے وقت میں جب کہ دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے کوئی معین و مددگار نہ تھا، حضرت عباسؑ سینہ اطہر سے کیونکر تیر ستم کو نکالتے آخرکار آپ گھوڑے سے ڈگمگانے لگے۔

سر اطہر پر گرز آہنی کا وار:

قریب تھا کہ زین فرس سے سطح ارض پر تشریف لائیں۔ **فضربہ ملعون بعمود من حدید علی ام راسہ ففلق ھامتہ فوقع علی الارض**۔ اتنے میں ایک ملعون نے بڑھ کر سر اطہر پر گرز آہنی سے ایسی ضرب لگائی۔ کہ وہ شگافتہ ہوگیا۔ جس کے صدمہ سے آپ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور ڈگمگاتے ہوئے زمین پر تشریف لائے۔

علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں۔ **ثم ضربہ رجل منھم بعمود من حدید علی راسہ ففلقھا فانصرع الی الارض**۔ سر اقدس پر ایک شخص نے آہنی گرز لگایا سر شگافتہ ہوگیا، آپ زمین پر تشریف لائے۔ [1]

صاحب ناسخ التواریخ اپنی کتاب مذکور جلد ششم صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۱ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حکیم بن طفیل عمودی از آہن بر فرق شریفش فرود آورد ایں

---

[1] نور العین صفحہ ۴۳۔ انوار الشہادت صفحہ ۵۸ تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ طبع ایران، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ طبع بمبئی، بحار الانوار علامہ مجلسی

وقت عباس علیه السلام از اسپ در افتاد۔ [1]

میدان کارزار میں حکیم بن طفیل ملعون نے آپ کے سر مبارک پر شدید گرز آہنی لگایا کہ آپ بے تابانہ زمین پر تشریف لائے۔

حضرت عباسؑ کا آخری سلام:

آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی نہایت درد آگیں لہجہ سے امام حسین علیہ السلام پر ان لفظوں میں آخری سلام بھیجا۔ **یا ابا عبد الله علیك منی السلام**۔ اے ابوعبداللہ علیہ السلام آپ پر عباسؑ کا آخری سلام ہو اور ایک روایت کی بنا پر آپ نے اپنی شہادت کا اعلان کرتے ہوئے عرض کیا۔ **یا اخا ادرك اخاك**۔ اے بھیا حسینؑ اپنے بھائی کی خبر لیجیے۔

یہ ایک ایسی آواز تھی کہ جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو گھنٹوں رلایا، حسینؑ کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی، ساری دنیا اندھیر ہوگئی، امام حسین علیہ السلام نے ان کی شہادت سے اپنی شہادت کا منظر دیکھ لیا۔ **فصاح الحسین و بکی و قال الان انکسر ظهری و قلت حیلتی**۔ بے تحاشا چلا کر روئے اور درد بھری آواز سے کمر پر دونوں ہاتھوں کو رکھ کے فرمایا کہ ہائے بھیا میری کمر ٹوٹ گئی اور تمام تدبیریں باطل ہوگئیں، (اب یقین ہے کہ بازوئے زینب میں رسن بندھ کے رہے گی)۔

جہاں بدیدۂ مظلوم کربلا شب شد
امیر گفت اسیری نصیب زینب شد۔ [2]

---

[1] ناسخ التواریخ و انوار الشہادت طبع لاہور

[2] انوار شہادت صفحہ ۵۸، تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۸، نور العین صفحہ ۴۳، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۱ طبع بمبئی

بھائی کے غم میں بھائی کی کمر کا ٹوٹنا:

یہ تو واضح ہو چکا کہ جب حضرت عباسؑ کی شہادت واقع ہوئی تو حضرت امام حسینؑ اپنے کڑیل جوان بھائی پر سب سے پہلے جو نوحہ فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (الان انکسر ظهری الخ) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے کڑیل جوان بھائی کی شہادت واقع ہوتی ہے تو پھر اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ ورنہ حضرت امام حسینؑ غم عباسؑ میں سب سے پہلے بے ساختہ ان الفاظ کو زبان نہ فرماتے اگر آپ کو یقین نہ ہو تو رزم گاہ موتہ میں آیئے، حضرت جعفر طیارؑ کی شہادت ہو چکی ہے سرور کائنات اصحاب کے جھرمٹ میں بیٹھے رو رہے ہیں کہ:۔

ناگاه امیر المومنین علیه السلام وارد مجلس شد پیغمبر اشاره باصحاب فرمود که گریه بکنید که علی را طاقت این حالت نیست و اشک چشم خود را پاک کرد، حضرت امیر المومنین ہمیں که وارد شد۔ عرض کرد یا رسول الله بگو خبری از برادرم جعفر آمده است، حضرت فرمود یا علی ترا خدا اجرای خیر دہد در مصیبت برادرت جعفر حضرت امیر فرمود۔ الان انکسر ۔ [1]

دفعتہ حضرت علیؑ آ پہنچے حضرت سرور کائنات ﷺ نے اپنے اصحاب کو باشارہ رونے سے روک کر فرمایا: خاموش رہو اس لئے کہ علیؑ شہادت جعفر سے تاب نہ لا سکیں گے یہ فرما کر آپ نے اپنے آنسو فوراً پونچھ ڈالے حضرت علیؑ نے آتے ہی دریافت کیا کہ خدا کے رسولؐ ذرا فرمایئے ہمارے بھائی جعفر کی بھی کچھ خبر ہے؟

آنحضرتؐ نے اشکبار ہو کر فرمایا: اے علیؑ! خدا جعفر کے بارے میں تمہیں

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۹۰ طبع لاہور ۱۲۸۷ھ

جزائے خیر دے حضرت علیؑ نے آہ سرد کھینچی اور گریہ خیز لہجہ میں غم دیدہ ہو کر فرمایا ہائے اس وقت میری کمر ٹوٹ گئی۔

ہر کہ دل غم فزوں از تاس داشت
از ہم افزوں غم عباسؑ داشت

حضرت عباسؑ کی آواز پر امام حسینؑ کی بے تابانہ رہروی اور حضرت عباسؑ کے ہاتھوں کا ملنا

علامہ یزدی بحوالہ محرق الفوائد و مقتل ابن غزلی تحریر فرماتے ہیں، کہ جب قوت بازوئے حسین علیہ السلام کے دونوں ہاتھ قطع ہو چکے اور آپ زمین گرم کربلا پر تشریف لا چکے تو اس وقت بوجہ ضعف و نقاہت آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان لفظوں میں پکارا۔ **یا اخا ادرك اخاك**۔ اے بھیا حسینؑ اپنے جاں بلب بھائی کی خبر لیجیے۔ امام حسین علیہ السلام آواز سنتے ہی بے تابانہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت عباس علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ کا گھوڑا نہایت تیزی سے لیے جا رہا تھا اور حضرت عباس علیہ السلام کے کراہنے کی پے در پے آواز آ رہی تھی، ناگاہ سبک سیر گھوڑے نے قدم روکے امام حسین علیہ السلام نے لاکھ کوشش کی کہ آگے بڑھے مگر قدم فرس کو جنبش نہ ہوئی اس نے امام حسینؑ کی طرف دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ آں حضرت نے سبب گریہ دریافت کیا۔ (ناگاہ بقدرت کاملۂ الٰہی قفل از زباں آں حیوان برداشتہ شد) عرض کر دیا **سیدی اما تنظر الی الارض** گھوڑے نے بزبان فصیح عرض کیا کہ مولا ذرا آپ زمین کے چہرے پر نظر ڈالیے۔ **فلما نظر الی الارض رای ایدی اخیه العباس مقطوعة و فی التراب موضوعة۔**

جب امام حسینؑ نے زمین کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ حضرت عباسؑ کے کٹے ہاتھ زمین کی آغوش میں گرد کی چادر اوڑھے ہوئے موجود ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے ان کو اٹھا کر اپنے سینے اور آنکھوں سے لگا کر بے پناہ گریہ کرتے ہوئے فرمایا۔ **الان انکسری ظهری وقلت حیلتی**۔ اے بھیا عباسؑ اب میری کر ٹوٹ گئی اور تمام تدبیریں فنا ہو گئیں ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ گھوڑے نے پھر قدم روک رک رونا شروع کر دیا۔ امام حسینؑ نے جھک کر دیکھا کہ مشکیزہ کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں اور اس کا پانی حضرت عباس علیہ السلام کے خون کی طرح سیرابی کے عوض میں زمین کو سیراب کر رہا ہے اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک قیامت خیز آہ کھینچ کر فرمایا۔ **اف لك یا دنیا قلت اولادی عطاشا**۔ اے دنیا تجھ پر وائے ہو تیری کرشمہ سازیاں بھی دلخراش ہیں۔ ارے میرے چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے مر رہے ہیں اور ان کو ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ [1]

علامہ شیخ جعفر شوستریؒ اپنی کتاب مجالس المواعظ والبکاء طبع بمبئی ۱۳۱۹ھ کے صفحہ ۱۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

میگویند که حضرت امام حسین علیه السلام وقت رفتن سر نعش عباس دست بریده حضرت عباس را دید نبابد اصلی داشته باشد چراکه از محل قبر ابوالفضل اراہے دارد بمشرعه غیر از خیمه گاه به طرف مصرع عباس علیه السلام راه دیگر دارد و دستها میان محل افتادنش بر زمین و مشرعه جلد اشد پس نه باید حضرت وقت رفتنش بر سر نعش عباس دستها را دیده باشد الخ۔

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۵۹ و ۶۰ ، ۱۷ طبع لاہور ۱۲۸۷ھ ، روضۃ الشہداء علامہ حسین واعظ کاشفی صفحہ ۳۴۰ طبع بمبئی ۱۳۱۹ھ

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ جب لاش عباسؑ کی طرف جارہے تھے، تو راستے میں ان کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ ملے تھے۔ میرے نزدیک اس قول میں ضعف ہے۔ اس لیے کہ جائے قبر حضرت عباسؑ سے فرات کا دوسرا راستہ ہے اور خیمہ سے مقتل عباسؑ تک پہونچنے کا دوسرا راستہ ہے اور یہ ثابت ہے کہ ہاتھ مقام قتل اور فرات کے درمیان جدا ہوئے ہیں یہ ذرا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو قتل گاہ عباسؑ کی طرف جانے میں عباسؑ کے ہاتھ ملے ہوں۔

حضرت عباسؑ کی لاش پر امام حسینؑ کا پہونچنا:

علامہ بسطامی بحوالہ محرق القلوب لکھتے ہیں کہ جب جناب عباسؑ کی صدائے استغاثہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے گوش زد ہوئی تو بنا بر روایت محمد ابن انس آپ اس وقت پہونچے۔

جب حضرت عباسؑ دنیا کو چھوڑ چکے تھے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کے سرہانے جا کر دیکھا کہ ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اور سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔

افتادہ دید غرق بخوں ماہ پیکرے
یارب نہ بیند ہم چو تن را برادرے

امام حسین علیہ السلام نے اپنے چہیتے بھائی کو خاک وخون میں آغشتہ دیکھ کر اپنے کو نعش حضرت عباسؑ پر گرا کر قیامت خیز نالہ وفریاد کرتے ہوئے فرمایا:

و اخاہ وا عباساہ وا مہجة قلباہ و اقرة عیناہ واقلة ناصراہ یغرغا فراقك

ہائے اے بھائی عباس علیہ السلام اور میری رگ جاں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک اور

اے بے معین و مددگار خاک کی قسم تیری جدائی حسینؑ کی بہت ہی شاق ہے پھر بروایت بحار فرمایا۔ الأن ظهري وقلت حيلتي.

كسر وابقلتك ظهر سبط محمد

و بكسره انكسرت قوى الاسلا

اے عباسؑ دشمنوں نے تم کو قتل کر کے حسینؑ کی کمر توڑ دی اور (اے دنیا والو! جان لو کہ) حسینؑ کی کمر ٹوٹنے سے اسلام کے تمام اعضاء شکستہ نہ ہو گئے۔

قطعوا بقطع يديك ايدى السبط

وانقطعت به ايدى النبى الساهى

تمہارے ہاتھ کو کاٹ کر حسینؑ کا ہاتھ کاٹ دیا اور حسینؑ کا ہاتھ کاٹنے سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ کاٹ دیا یعنی گویا حضرت عباسؑ کی دست بریدگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کاٹنے کے مرادف ہے۔

حضرت عباسؑ کی وصیت کے درد آگیں کلمات

علامہ یزدی رقم طراز ہیں کہ ایک قول کی بناء پر حضرت امام حسین علیہ السلام جس وقت حضرت عباس علیہ السلام کے قریب پہونچے ہیں، اس وقت آپ میں کچھ جان باقی تھی، امام حسینؑ نے سر کو زانوئے اطہر پر رکھ کر فرمایا، بھیا اگر کچھ وصیت کرنی چاہتے ہو تو کرو، حضرت عباس علیہ السلام نے عرض کی کہ اے بھیا! میں چھوٹے چھوٹے بچوں سے پانی کا وعدہ کر کے آیا تھا مگر "کوفیان تنگد اشتند ودل مرشکستہ و مشک راتیر باراں نمودند۔" کوفیوں نے وفا نہ کرنے دیا اور میرے دل کو توڑ دیا اور پانی سے بھری مشک پر تیروں کی بارش کر کے پیاسوں کی پیاس میں اضافہ کر دیا، اے بھیا، میری لاش خیمہ میں نہ لے جایئے گا کہ مجھے سوختہ دل

بچوں سے حیا آتی۔ [1]

علامہ دربندی قلم بند فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نبرد آزمائی میں ہمہ دم مصروف تھے، کہ حکیم ابن طفیل جو پس درخت خرمہ پوشیدہ تھا۔ اس ملعون نے ایک گرز آہنی سے ایک ایسی ضرب لگائی کہ جس سے سر مطہر شق ہوگیا۔ **فھوی عن متن الجواد**۔ آپ تیور کر زمین گرم پر آ پڑے اور فوراً درد آگیں آواز سے امام حسینؑ کو ندا دی۔ اسحاق راوی ہے کہ حضرت امام حسینؑ آواز سنتے ہی عقاب شکستہ بازو کی طرح حضرت عباسؑ کی طرف جھپٹے اور ستر آدمیوں کو قتل کرتے ہوئے حضرت عباسؑ کے پاس پہونچے اور ایک قیامت خیز نالہ کر کے فرمایا:

واخاہ واعباساہ الاٰف انکسر ظھری وقلتی حیلتی۔

ہائے بھیا عباسؑ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور ساری تدبیریں باطل ہوگئیں۔

ثم الحنی علیہ لتحملہ ففتح العباس

پھر حضرت عباسؑ کے اٹھانے کو جھکے

عینہ فرای اخاہ الحسین یرید ان یحملہ فقال لہ الی این ترید یااخی فقال الی الخیمہ فقال یااخی بحق جدك رسول اللہ ﷺ علیك ان لا تحملنی ورعنی فی مکانی ھذا فقال علیہ السلام لماذا قال لانی مستحی ابنتك سکینۃ وقد اوعدتھا بالماء ولم اتھابہ والثانی انا کبش کتیبتك ومجمع عددك فاذا راونی اصحابك وانا مقتول فلو بما یقل عزمھم ویزل صبرھم فقال الحسین علیہ السلام جزئیت عن

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۶۰ طبع لاہور ۱۲۸۷ھ

اخيك خير أخيث نصرتني حياً وميتاً. [1]

حضرت عباسؑ نے غش سے آنکھیں کھول کر امام حسینؑ کو اٹھانے پر آمادہ دیکھ کر عرض کی اے بھیا کیا ارادہ ہے حضرت نے فرمایا کہ تمھیں خیمہ میں لے جاوں گا۔ آپ نے عرض کی بھیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم آپ ہمیں یہیں رہنے دیں خیمہ میں نہ لے جائیں حضرت نے پوچھا آخر یہ کیوں عرض کی مجھکو آپ کی بچی سکینہ سے حیا آتی ہے میں اس سے پانی لانے کا وعدہ کر آیا تھا مگر وفا نہ کر سکا دوسری بات یہ ہے کہ میں آپ کے لشکر کا سردار ہوں اور سارے لشکر کا مرادت ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے اصحاب مجھے مقتول دیکھ کر اپنی ہمت ہار جائیں اور اپنے ارادے کمزور کر دیں آپ نے فرمایا میری طرف سے خدا تم کو جزا دے تم نے زندگی اور موت ہر حالت میں میری مدد کی۔

غرضکہ ابھی چچیتے بھائیوں کا مکالمہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ طوطی روح پاک گلشن جنت کو پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وقت شہادت حضرت عباس علیہ السلام کا سن مبارک

ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ وقت شہادت آپ کا سن چونتیس سال کا تھا صاحب ناسخ التواریخ اور صاحب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالبؑ وغیرہ لکھتے ہیں کہ ''عباسؑ در وقت شہادت سی و چہار سالہ بود'' حضرت عباسؑ شہادت کے وقت چونتیس سال کے تھے۔ [2]

---

[1] اسرار الشہادۃ صفحہ ۳۲۱ طبع ایران ۱۲۷۹

[2] ناسخ التواریخ جلد ۶۔ ص ۲۹۱ طبع بمبئی۔ مفاتیح الجنان ص ۵۵۰ وغیرہ

حضرت امام حسینؑ سے حضرت عباسؑ کے متعلق جناب سکینہؑ کا سوال

جب حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے کڑیل جوان بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو چھوڑ کر واپس ہوئے تو اس وقت آپ کی یہ کیفیت تھی کہ یکف کن وموعه بکمه اپنی آستین سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ آپ خیمہ کی طرف قدم اطہر ضرور بڑھاتے تھے مگر دل میں یہ خیال تھا کہ سکینہ نے بھائی عباسؑ کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دوں گا، آخر امام حسین علیہ السلام خیمہ تک پہونچے۔ جناب سکینہ نے حضرت امام حسین کو آتے دیکھا اور بڑھ کے عنان فرس سے لپٹ کر عرض کرنے لگیں۔

یا ابتا هل لك علم نعمی العباس اراه ابطاءوا وعدنی بالماء وليس له عادة ان يخلف وعده فهل شرب ماءاوبل غليله ونسی ماوراته امر هو يجاهد الاعداء

اے بابا جان آپ کو ہمارے چچا عباس کی بھی کچھ خبر ہے وہ پانی کے لیے گئے ہیں۔ اور میں تو دیکھتی ہوں کہ جیسے انھیں بہت دیر ہوگئی بابا وہ کبھی وعدہ خلافی تو نہیں کرتے تھے (آپ سچ بتائے) کیا ہمارے چچا جان نے پانی پی کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیا اور ہم سب کو بھول گئے۔ یا دشمنوں سے لڑ رہے ہے۔

یہ سننا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام میں تاب ضبط باقی نہ رہی آپ جی چھوڑ کر روئے اور فرمایا۔ بنتاه ان عمك قتل و بلغت۔ اے بیٹی تمھارے چچا قتل کر ڈالے گئے اور ان کی روح مبارک جنت میں پہنچ گئی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان مبارک سے ان کلمات کے ادا ہوتے ہی جناب

زینب نے ایک چیخ ماری اور بے پناہ گریہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ اے عباس تمھاری شہادت نے ہم سب کو برباد کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کی قسم میری کمر ٹوٹ گئی اور اب اسیری زینب کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد تمام بیبیوں نے رونا شروع کر دیا۔ **وبکی الحسین معھم** اور امام حسین علیہ السلام سب کے ساتھ روتے رہے۔

زگفتار او عرش شد اشک بار
جہاں گشت از گریہ اش بیقرار [1]

حضرت عباسؑ کی شہادت پر اہل حرم کے فلک شگاف نالے

علامہ ابوالاسحاق اسفرائنی لکھتے ہیں کہ جب حضرت عباسؑ علیہ السلام کی شہادت عالم وقوع میں آچکی اور حضرت امام حسین علیہ السلام آپ کی نعش اطہر کو زمین گرم پر چھوڑ کر روتے ہوئے خیمہ تک پہونچے اور وہاں پر بے اختیار ہو کر روئے تو

خرجت النساء یتکین علیه وعلت اصواتھن بالبکاء والحبیب حتی بکت لبکاھن ملائکته السماء فادخلھن الحسین علیه السلام الی الخیام

تمام پردہ نشین بیبیاں خیمہ سے نکل پڑیں اور حضرت عباسؑ پر اس قدر روئیں اور اس طرح نالہ کیا کہ جا جو فلک کا بھی دل بیچ اٹھا) یہاں تک کہ فلک نشین ملائکہ رو پڑے غیرت دار حسینؑ نے فوراً ان بیبیوں کو داخل خیمہ کر کے اس کا سبق دیا۔ کہ عورتوں کے لیے ایسے وقت میں بھی پردہ لازم ہے جب کہ عقل و ہوش پر اضطراب کے پردے پڑے ہوں

---

[1] اسرار الشہادت ص ۳۲۱ تا ۳۲۲ طبع ایران۔ مقتل عوالم ص ۱۷ طبع ایران

،اور دل بے تاب آماجگاہ مصائب و آلام بنا ہو۔

پر از گریہ شد از سما تا سمک
پر از نوحہ بود از زمین تا فلک [1]

حضرت عباسؑ کی نعش خیمہ میں نہ لے جانے کے اسباب

دراصل یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جس طرح تمام شہداء کی لاش ہائے مطہر کو اٹھا کر خیمہ تک لائے تھے اسی طرح حضرت ابوالفضل العباسؑ کی لاش کو کیوں نہ لائے۔

صاحب اسرار الشہادت نے یہ کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ میری لاش کو خیمہ میں نہ لے جائے گا۔ اس لیے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں سے حیا آتی ہے۔ **فوضعه فی مکانه ورجع الی الخیمة** تو حضرت امام حسینؑ نے اس مقام قتل پر لاش کو چھوڑ دیا اور خیمہ کی طرف پلٹ آئے الخ۔

لیکن اس کی وجہ وجیہہ کے اظہار میں کتب تواریخ و مقاتل کے صفحات بتاتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ہر چند کوشش فرمائی کہ کسی طرح ابوالفضل العباس کی لاش خیمہ تک لے جائیں مگر افسوس صد افسوس کہ آپ کے جسم مطہر کے اتنے ٹکڑے ہو گئے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس کو اٹھا نہ سکے۔ قطعوہ اربا اربا

آپ کے جسم مبارک کو دشمنوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا یہی سبب تھا کہ آپ اسی جگہ مجبوراً چھوڑ کر خیمہ گاہ کی طرف واپس تشریف لائے۔

---

[1] نور العین ص ۴۲ مصر

آں حضرت در وقتے کہ بر سر نعش حضرت عباس علیہ السلام آمد آں بدن را مجروح و پارہ پارہ یافت بحدیکہ نتوانست حضرت از کثرت جراحت آں را بہ خیمہ گاہ نقل نماید آں را بحال خودگذاشت و تنہا مراجعت نمود۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کے سرہانے پہنچے تو ملاحظہ فرمایا کہ بدن بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گیا ہے اور اس کثرت جراحت کے سبب سے آپ خیمہ گاہ میں نہ لا سکے۔ بلکہ اسی حال میں اسی جگہ پر چھوڑ کر تنہا واپس چلے آئے۔ [1]

بعد شہادت حضرت عباسؑ کی کنیت ابوقربہ قرار پائی

حضرت عباس علیہ السلام کے کارناموں پر سرسری نظر ڈالنے سے آپ کی جرات ، بہادری ، ہم دردی اور محبت کا کافی پتہ چلتا ہے ، رزم گاہ کربلا میں آپ نے جو نمایاں سرفروشی کی ہے وہ پوشیدہ رہنے کے قابل نہیں۔ لوائے حسینی لے کر آپ نے جس دلیری سے حمایت کرتے ہوئے پانی کی تلاش میں جس بہادری سے جان دی وہ اظہر من الشمس ہے۔

قال اهل السیر وکان العباس ربما رکز لوائه امام الحسین وحامی عن اصحابه واستقی ماء فکان لقب السقاء ویکنی اباقربة بعد قتله

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت عباسؑ نے امام حسین علیہ السلام کے سامنے اکثر اپنے علم کے پھریرے کو جنبش دیکر (اپنی بہادری اور جانبازی کا ثبوت دیا) اور ان کے اصحاب کی

---

[1] انوار الشہادت ص ۶۔ ابصار العین ص ۷ ۱۲ طبع نجف اشرف تحفہ حسینیہ جلد ۱ ص ۱۸۱ بحار انوار علامہ مجلسی ۔ مقتل عوالم طبع ایران

طرف سے لڑے اور پانی کی تلاش کی لہذا آپ کا لقب سقا ہو گیا اور قتل کے بعد آپ کی کنیت ابوالقربہ قرار پائی

یعنی جب حیات کی دنیا میں زندگی کے لمحات گذرتے ہوئے یوم عاشورہ پانی کی طلب میں جان توڑ کوشش کرتے رہے تو آپ کو" سقا" کا جیسا مبارک لقب دیا گیا اور جب آپ نے دنیا کو اس طرح چھوڑ کر مشکیزہ میں بھرے ہوئے پانی کے ساتھ خون کو بھی بہادیا تو آپ کی کنیت "ابوقربہ" رکھی گئی۔

فضل بن عباس علیہم السلام کی شہادت کے حالات

روز عاشور جب آل رسول کے جسم مبارک سے نہایت دلیری کے ساتھ خون بہائے جارہے تھے اور مجاہدین رزم گاہ کربلا سند شہادت لے کر نہایت تیزی کے ساتھ رہروی کر کے جنت کو اپنا مسکن قرار دے رہے تھے اور حکم خدا اور رسولؐ کی پیروی کے سلسلہ میں اپنی قیمتی جانیں فرزند رسول الثقلین ﷺ حضرت امام حسین علیہ السلام پر نثار کر رہے تھے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے "فضل" نے بھی لشکر کفار کو امام حسین علیہ السلام پر حملہ آور دیکھ کر فوراً حاضر خدمت ہو کے۔ قال اذن لی یا عماہ بالبراز فقال ابرز بارک اللہ فیک فبرز۔ دست لبستہ عرض کی اے چچا جان، اب مجھے بھی اذن عنایت ہو، آپ نے فرمایا کہ اچھا بیٹا جاؤ خدا تمھاری مدد کرے اور برکت دے یہ سنتے ہی آپ میدان کی طرف چلے اور اپنی دلیری کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت عباس علیہ السلام کی طرح حملہ آور ہوئے۔

رجز۔ اور ان اشعار کو بطور رجز نہایت زوردار لہجہ میں پڑھا۔

اقسمت لو کنتم لنا اعدادا

ومثلکم او کنتم فرادی

خدا کی قسم تم (میرے خون بہانے کے لیے) اتنے ہو یا اور زیادہ ہو یا اکیلے ہو (میرے نزدیک سب برابر ہے)

یاشرجیل سکنو البلادا

وشرقوما اظہر والفساد

اے اس زمین پر بدترین قیام کرنے والو اور اے فساد کی آگ بھڑکانے والی شریر قوم

سینترک جمعکم شراد

ونرمی الروس عن الاجساد

یاد رکھو! میں عن قریب تمھاری ساری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دوں گا اور دوسروں کو تن سے (بے تکلف) جدا کر دوں گا۔

رجز کے الفاظ ختم ہوتے ہی دشمنوں کے بے پناہ حملے ہونے لگے مگر اس شجاع ابن شجاع نے اس دھما چوکڑی اور گھمسان کی جنگ میں دو سو پچاس بڑے بڑے نامی پہلوانوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔

مسلم خولانی ناقل ہے کہ حضرت عباسؑ کا صغیر السن بچہ اپنی شجاعت کے جو دکھا رہا تھا اور ان کے پہلو میں ایک فیل تن عظیم الخلقت شخص کھڑا ہو، ان کی بہادری کے زبردست کارنامے کو دیکھ رہا تھا اس نے جب دیکھا کہ ساری قوم فنا ہوئی جارہی ہے عقاب شکستہ بازو کی طرح ان کے اوپر یہ کہتا ہوا ٹوٹ پڑا کہ **واللہ لاقتلن هذ الغلام**۔ خدا کی قسم میں اس غلام کو ضرور قتل کروں گا۔ یہ تو بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے۔ را کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ تجھے کچھ خبر بھی ہے! یہ خاندان رسالت کا بچہ ہے، جس نے تمھا قوم کو پریشان کر ڈالا ہے مگر اس نے کوئی التفات نہ کی اور اس کم سن بچے پر ایک زبردسہ حملہ کر کے ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے خون میں لوٹنے لگا، اور چیخا۔ **یا عماہ ادرکنی!**

چچا حسین خبر لیجئے امام حسینؑ کے کانوں تک آواز کا پہونچنا تھا کہ آپ فوراً اس بچہ کے پاس پہونچ گئے وہاں پہنچ کر کیا دیکھا کہ یفحص الارض برجلہ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے یہاں تک کہ موت آگئی فبکی الحسینؑ اس وقت امام حسینؑ بہت روئے اور جہاں تمام مقتولین کی لاشیں تھیں وہاں تک ان کی لاش پہونچا کر خیمہ کی طرف واپس آئے۔ [1]

حضرت عباسؑ کی شہادت حسینؑ کے صدمہ کی نوعیت

کڑیل جوان بھائی کی موت بھائی کے لیے نہایت ہی رنج رساں اور تکلیف دہ ہوتی ہے اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں کہا جا سکتا، چاہے نبی ہو یا امام کتب تواریخ یا بانگ دہل کہہ رہی ہیں کہ سرزمین موتہ پر جب جناب جعفر طیار نے شہادت پائی تھی تو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اضطراب کی حد نہ تھی کہ آپ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے۔

پروردگار عالم نے آپ کے خاطر زمین کی تمام ان بلندیوں کو جو موتہ کے سامنے حائل تھیں پست اور پستی کو بلند کر کے رزم گاہ موتہ کو پیش نظر کر دیا آپ نے حضرت جعفر طیار کو نبرد آزما دیکھا فوراً آپ کے دل پر اضطراب کی پے در پے لہریں دوڑنے لگیں چہرے کی رنگت میں زمین و آسمان کا تغیر ہویدا ہو گیا ابھی تار نظر رسالت مڑنے نہ پایا تھا کہ جناب جعفر نے شہادت پائی۔ پھر نہ پوچھیے کہ جناب سرور کائنات کی کیا کیفیت ہوگئی آپ کی رگ ہائے بدن میں انقباض پیدا ہو گیا، اعضا معطل ہونے لگے درد شکم نے بے چینی کے ساتھ اٹھ کر اضطراب کی انتہائی منزل کا پتہ دیا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در مسجد بودناگاہ حق تعالی ہربلندی ارازبرا لے آں حضرت پست نمودوہرپستی رابلندنمودتانظر

---

[1] نور العین فی مشہد الحسین ص ۴۲ تا ص ۴۳ طبع مصر

آں حضرت به جعفر طیار افتاد که باکفار مبارزه می کردتاآں که دید اوکشته شد وازشدت اندوه شهادت آں سرور دروے درد شکم آں حضرت بهم رسید۔

جنگ موتہ کے دن رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں خدا نے ہر بلندی کو پستی سے اور ہر پستی کو بلندی سے اس لیے بدل دیا کہ آپ کی نظر جعفر پر پڑے کیا دیکھا کہ آپ کفار سے لڑ رہے ہیں، اتنے میں دیکھا کہ آپ شہید ہو گئے پھر کیا تھا، رنج وغم کی شدت کی وجہ سے آپ کے شکم مبارک میں شدید درد اٹھا، جو شہادت کے رنج پر شہادت دے رہا تھا۔ [1]

اس عبارت سے حضرت جعفر کی شہادت پر حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنج کا صاف صاف پتہ چلتا ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ قریب موجود نہ تھے اور نہ جلدی پہنچ سکتے تھے اس لیے آپ کے رنج کا اظہار صرف درد شکم سے ہو کے رہ گیا۔ لیکن اگر آپ قریب موجود ہوتے تو یقیناً حسینؑ مظلوم کی طرح اپنے کو اپنے بھائی پر ضرور گرا دیتے۔

حضرت عباس علیہ السلام نے جس وقت شہادت پائی اور امام حسین علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی آپ سے رہا نہیں گیا آپ فوراً حضرت عباس علیہ السلام کی طرف بچشم گریاں افتاں اور خیزاں دوڑے اور اپنے برادر بجاں برابر اپنے کو بے ساختہ گرا کر انتہائی محبت کا ثبوت دیا۔ [2]

---

[1] تحفہ حسینیہ ص ۷۷ طبع ایران

[2] تحفہ حسینیہ جلد ا طبع ایران

حضرت عباسؑ پر رونے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم

ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ حضرت جعفر طیارؑ اور حضرت عباسؑ ایک ہی نظر سے دیکھنے کے لائق ثابت ہو چکے تو پھر انصاف یہ بتاتا ہے کہ ان پر گریہ کا بھی ایک ہی عنوان ہونا چاہیے اور جس طرح حضرت جعفر پر چشم تر کرنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت عباسؑ پر بھی آنکھوں کو اشک بار کرنا چاہیے۔

علامہ بسطامی اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ ۱۷۷ پر لکھتے ہیں:

جناب رسالت ماب فرمود کہ بر مثل جعفر باید گریہ کنندگان الخ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جعفرؑ ایسے شخص پر رونے والوں کو رونا چاہیے۔

اس عبارت سے دو مطلب اور مفہوم پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ جناب جعفر چوں کہ نہایت جری اور بہادری تھے اس لیے ان کی شہادت کے متعلق ترغیباً فرمایا کہ ان پر رونا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جو جعفر کی طرح جری اور بہادر اور جملہ فضائل کا حامل ہو، اس پر ضرور رونا چاہیے اور یہ بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت جعفر طیارؑ اور عباسؑ علمدار میں بلحاظ عنوان شہادت کوئی فرق نہ تھا لہٰذا جس طرح حضرت جعفر طیارؑ اس بات کے اہل تھے، کہ لوگ ان پر روئیں اسی طرح حضرت عباسؑ بھی اس قابل تھے کہ ان پر گریہ کیا جائے۔

حضرت جعفر اور حضرت عباسؑ کی شہادت میں عدم مماثلت کے بعض روشن پہلو

ترکوہ مقطوع الیدین لجعفر
خضر الجناح الموجب الطیران

سرزمین کربلا پر عاشورہ کے دن یزیدیوں نے حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں ہاتھ اسی طرح کاٹ ڈالے جیسے جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ جنگ موتہ میں کاٹے تھے جن کو جنت میں پرواز کے لیے دو پر ملے ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام اور حضرت جعفر علیہ السلام کی شہادت میں جو وجہ مماثلت ہے، اس کو ہم بیان کر چکے اب ہم شہادت کے ان بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنی چاہتے ہیں جن سے عدم مماثلت واضح ہو جائے گی۔

اچھا ملاحظہ ہو

(۱) جناب جعفر طیار جب جنگ موتہ میں تشریف لے گئے تھے تو آپ کے ساتھ معین اور مددگار تھے، لیکن حضرت عباسؑ جب رزم گاہ کربلا میں تشریف لے گئے تو آپ بالکل یکہ وتنہا تھے آپ کا کوئی معین ومددگار نہ تھا۔

(۲) جناب جعفر طیار صرف دشمنوں سے لڑنے کے لیے گئے تھے، ان کے سردار نے ان کو جنگ ہی کرنے کو بھیجا تھا، لیکن حضرت عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہ ملی تھی امام حسین نے نبرد آزمائی سے منع کر دیا تھا "اذن جہاد برادنہ داد"

(۳) حضرت جعفر طیار تین دن کے بھوکے اور پیاسے نہ تھے بخلاف حضرت

عباسؑ کے کہ آنحضرت بے پناہ بھوک اور پیاس کو برداشت کر رہے تھے۔

(۴) حضرت جعفر طیار جس وقت لڑنے کو گئے تھے، ان کے اور اعزا تیغ آب دار سے شہید نہیں ہوئے تھے لیکن جب علیؑ کا شیر جنگ گاہ میں گیا ہے اس وقت خاندان کے اکثر چھوٹے بڑے بڈھے جوان قتل ہو چکے تھے۔

(۵) جعفر طیار کا سر نوک نیزہ پر بلند نہیں کیا گیا، لیکن حضرت عباسؑ کا سر اطہر نوک نیزہ پر بھی بلند ہوا۔

(۶) حضرت جعفر طیارؑ کی لاش پر گھوڑے نہیں دوڑائے گئے، مگر حضرت عباسؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے۔

علیه الخیل تجری راکضاتٍ
فقد دارت به دور الرحاء

ہائے ان کی لاش مطہر پر انتہائی جولانی کے ساتھ گھوڑے دوڑ رہے تھے اور وہ اس طرح لاشے کو پیس رہے تھے جیسے چکی میں دانے کو پیستے ہیں۔ [1]

حضرت عباس علیہ السلام کے غم میں حسینی مراثی

فرزند رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے کڑیل جوان کو جام موت پینے کے بعد حسب ذیل اشعار سے بطور مرثیہ یاد فرمایا ہے۔ علامہ دربندی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کے متعلق پانچ شعر پڑھے تھے جس کا مطلع یہ ہے۔

اخی یا نور عینی یا شفیقی

---

[1] تحفہ حسینیہ صفحہ ۷۷ طبع ایران، مخزن المصائب طبع آگرہ ۱۳۰۹ھ

فلی قد کنت کالرکن الوثیقی

اے میرے نور نظر (گویا) حقیقی بھائی (خدا کی قسم) تو میرے لیے ایک مضبوط اور مستحکم رکن تھا۔ [1]

صاحب ناسخ لکھتے ہیں:

تعدیتم یا شر قوم ببغیکم

و خالفتم دین النبی محمدٌ

اے بدترین قوم تم نے اپنی بغاوت کے ماتحت بدترین عداوت سے کام لیا ہے اور دین محمدی کی کھلی ہوئی مخالفت کی ہے۔

اما کان خیر الرسل اوصاکم بنا

اما نحن من نسل النبی المسدد

(ذرا بتاؤ تو سہی) کیا محمد مصطفیٰ نے ہمارے متعلق (مواسات کی) وصیت نہیں کی تھی، کیا ہم نسل محمدی سے نہیں ہیں۔

اما کانت الزهراء امی دونکم

اما کان من خیر البریه احمد

کیا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تمہاری نظر میں میری ماں نہ تھیں کیا بہترین عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (میرے نانا نہ تھے)

لعنتم و اخزیتم بما قد جنیتم

فسوف تلاقوا حر ناد تو قدوا

تم اپنے کرتوت کی وجہ سے ملعون اور خاسر ہو گئے۔ (جس کا نتیجہ یہ ہے) کہ عن

---

[1] اسرار الشہادت طبع ایران صفحہ ۳۲۲

قریب تم اس جہنمی آگ میں جاؤ گے جسے بھڑکا چکے ہو۔[1]

صاحب ناسخ فرماتے ہیں کہ بروایت عبداللہ محمد بن رضا الحسینی آپ نے یہ شعر پڑھے۔

احق الناس ان یبکی علیہ
فتی ابکی الحسین بکربلاء

وہ جوان جس نے کربلا میں حسینؑ (جیسے صابر انسان) کو رلا دیا، اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس پر رلایا جائے۔

اخوہ و ابن والدہ علی
ابو الفضل المفرج بالدماء

ابوالفضل العباسؑ جو خون میں غلطاں ہوئے وہ حسینؑ یعنی میرے بھائی اور میرے باپ حضرت علیؑ کے بیٹے تھے۔

و من واساہ لا یثنیہ شئی
وجاد لہ علی ظماء بماء

وہ حسینؑ یعنی میری نہایت ہی بے جگری سے اس طرح مدد کرنے والے تھے کہ ان کو مواسات سے کوئی روک نہیں سکتا تھا، انہوں نے انتہائی پیاس کے عالم میں نبرد آزمائی کی۔[2]

علامہ یزدی لکھتے ہیں:۔

ومازال فی حرب الطغاہ مجاھداً

---

[1] ناسخ التواریخ صفحہ ۲۹۱ طبع بمبئی

[2] ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۱، انوار الشہادت صفحہ ۶۱ طبع لاہور۔

الی ان هوی فوق السعید مجدلا

وہ سرزمین کربلا پر پے در پے حملہ کرتے ہوئے اس قدر زخم کھا گئے کہ تاب ضبط نہ لا سکے اور زمین پر آ پڑے۔

و قد شقوہ بالبنال و خزقوا

له قربة الماء الذی کان قدملا

آہ آہ دشمنوں نے تیروں سے بدن کو پارہ پارہ کر دیا اور اس کے بعد وہ مشکیزہ جو اطفال حسینؑ کے لیے بہزار وقت بھرا تھا چھلنی کر دیا۔

فنادی حسینا و الدموع هو امل

ایا بن اخی قد خاب ما کنت املا

زمین پر گرتے ہی امام حسینؑ کو اس حالت میں کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے آواز دیتے ہوئے کہا کہ اے بھیا ہمارے دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

فلما راہ السبط ملقی علی الثری

فنادی بقلب بالهموم قد امتلا

جب حسینؑ پہنچے تو دیکھا کہ عباسؑ خاک و خون میں غلطاں خاک پر پڑے ہیں (یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے) اور فریاد کن آواز سے چلا کر گویا ہوئے کہ۔

اخی کنت عونی فی الامور جمیعها

ابا الفضل یا من کان بالنفس یا ذلا

ہائے اے میرے بھائی تو ہمارے سارے امور میں مدد کرنے والا تھا، اے ابوالفضلؑ اے وہ جس نے مجھ پر جان دے دی (تجھ پر مجھے بڑا اعتماد تھا)

یعز علینا ان نراك علی الثرا
طریحاً و منك الوجه الضحیٰ مرملا

ہائے یہ نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں تجھے بچھڑا ہوا خاک وخون میں آغشتہ اور چاند سے چہرے کو خاک آلود دیکھوں۔

علیك من الرحمان الف تحیة
فقدرك عند یا اخی الان تدعلا

اے بھائی خدا کی طرف سے تجھ پر ہزار ہزر سلام ہو، اے بھائی تیری وفاداری اور جاں نثاری سے تیری قدرو منزلت میرے دل میں چوگنی ہوگئی۔ [1]

حضرت عباس علیہ السلام کا مدفن

کتب تواریخ ومقاتل کے الفاظ اوراق کے دامن میں سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوئے غم دیدہ ہوکر اس بات کا پتہ دیتے ہیں۔ کہ جب عمر سعد ان ماتم کناں عورتوں اور ستم رسیدہ بچوں کی مشکیں باندھ کر سرزمین کربلا سے روانہ ہوگیا تو بنی اسد کے ایک گروہ نے آکر تمام شہداء پر نمازیں پڑھیں۔

حضرت امام حسینؑ کی لاش اطہر پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے باعجاز امامت آکر نماز پڑھی، اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کے لاشے کو اسی مقام پر دفن کیا جہاں ان کا روضۂ مبارک بنا ہوا ہے اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کو حضرت امام حسینؑ کے پائنتی دفن کیا اور باقی شہدا کے لیے حضرت امام حسینؑ کے پائنتی ایک گڑھا کھود کر ان سب کو ایک ہی میں دفن کر دیا۔

[1] انوار الشہادت صفحہ ۹۱ تا ۹۳ طبع لاہور، تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۷۸ طبع ایران۔

ودفنوا العباس بن علی فی موضعه الذی قتل فیه الی الطریق الغاضریه حیث قبره الان.

اور حضرت عباس علیہ السلام کو اسی جگہ پر دفن کیا، جہاں پر آپ کی روح اور جسد کا تعلق منقطع ہوا تھا جو غاضریہ کے راستے میں واقع ہے جہاں پر اس وقت بھی روضۂ مبارک بنا ہوا ہے یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر بنی اسد نے حضرت عباسؑ کے لاشے کو مقام قتل پر کیوں دفن کر دیا اور اس مقام تک کیوں نہ لائے جہاں پر حضرت امام حسینؑ اور جملہ شہداء کی لاشیں تھیں۔

اس کا جواب واضح ہے۔

دفنوا العباس فی موضعه لانهم لم یستطیعوا حمله لتوزیع اعضاء به کما ان الحسین علیه السلام لم یحمله علی عادته فی حمل قتلاه الی حول المخیم لذالك.

ان لوگوں نے حضرت عباس علیہ السلام کو مقام قتل پر دفن کر دیا اس کی وجہ یہ تھی، کہ حضرت عباسؑ کے بدن کے اتنے ٹکڑے ہو گئے تھے، کہ وہ لوگ اس بات سے عاجز رہے کہ ان کی لاش کو اٹھا سکیں، جیسے کہ حضرت امام حسینؑ اس بات سے عاجز تھے کہ ان کی لاش کو اور شہدا کی طرح خیمہ کے قریب تک پہونچا ئیں۔

یعنی چونکہ حضرت عباسؑ کا جسم اطہر تلواروں اور نیزوں اور تیروں کے حوالے ہو چکا تھا جس کے سبب سے حضرت امام حسینؑ ان کی لاش کو خیمہ تک نہ لے جا سکتے تھے، اسی طرح بنی اسد نے بھی مجبور ہو کر مقام قتل پر دفن کر دیا جو غاضریہ کے راستے میں واقع ہے جہاں پر فلک رفعت روضہ موجود ہے جس کی زیارت کو تمام اہل عرفان جا کر اپنی دلی مراد

حاصل کرتے ہیں۔[1]

علامہ مجلسی ابن شہر آشوب سے روایت کرتے ہیں کہ غاضریہ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ دفن شہدا کے لیے گئے تو قبریں تیار تھیں اور مرغان سفید پرواز کر رہے تھے۔

حضرت عباس کا سر اقدس گھوڑے کی گردن میں

عاشورہ کی شام ہوتے ہوتے فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ اور ان کے تمام جاں نثاروں کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور وہ وقت آگیا کہ اب اہل بیت حسینؑ کا نہ کوئی خبر گیر رہا اور نہ پرسان حال، ہو کا عالم، جنگل کا واسطہ، پیاس کا غلبہ اضطراب کی کیفیت یہ وہ پر ہول حالات تھے، کہ جن اہل بیت کے دل دہل رہے تھے اس پر طرہ یہ کہ سارے خیام جلا دیے گئے، بیبیاں بے پردہ ہو گئیں، خدا نہ کرے کسی کے اہل بیت اس طرح بے بس کیے جائیں غرضیکہ اب وہ وقت آگیا کہ تمام شہدا کے سر کاٹے جانے لگے، اور شب باشی کے بعد گیارہویں کو یہ لٹا ہوا قافلہ سر ہائے شہدا سمیت کوفہ کی طرف روانہ ہوئے ابن اصبغ کہتا ہے کہ جب کربلا کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا تو میں نے ایک حسین اور خوب صورت شخص کو ایک ایسے گھوڑے پر سوار دیکھا کہ جس کی گردن میں ایسے نوجوان کا سر ہے جو ماہتاب سے زیادہ ضوافگن ہے اور قیامت تو یہ ہے کہ جب وہ گھوڑا اپنی گردن کو حرکت دیتا ہے تو وہ سر زمین سے ٹکرا جاتا ہے اور اس کے گھوڑے کے پیروں سے لگ جاتا ہے۔

قد علق فی لب فرسه راس غلام امرد كانه القمر۔ فی ليلة تمه والفرس يموح فاذا طاطا راسه لحق الراس بالارض.

(میں نے دیکھا) کہ اس کے گھوڑے کی گردن میں ایک نوجوان کا ایک ایسا سر

---

[1] ابصار العین علامہ سماوی صفحہ ۱۲۷ طبع نجف، تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ جلد ۲ طبع ایران، نور العین صفحہ ۴۵ طبع مصر

لٹکا ہوا ہے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ضوفگن ہے اور جب اس کا گھوڑا بھڑکتا ہے تو وہ سرزمین سے ٹکرا جاتا ہے۔

میں اس بے رحمی کو دیکھ کر آگے بڑھا اور پوچھا کہ اے ظالم آخر یہ کس کا سر ہے جس پر اپنے جفا و ظلم کو ختم کیے دیتا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ سر عباسؑ ابن امیر المومنین علی کا ہے میں نے پوچھا کہ اچھا تو اپنا نام تو بتا اس نے کہا۔ کہ تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے میں حرملہ ابن کاہل اسدی ہوں یہ سنتا تھا کہ میں بے چین ہو گیا اور میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حیات کے لمحات تلخ معلوم ہونے لگے، میں روتا ہوا اک اشرفی کی تھیلی لیے ہوئے اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ خدا کا واسطہ تو اس رقم کے لے لے اور اس سر مبارک کو کم از کم اتنا بلند کر دے کہ یہ سرزمین سے نہ ٹکرائے اس ملعون نے اشرفی کی تھیلی۔ لے لی اور سر اطہر کو تھوڑا سا بلند کر دیا۔

سر لٹکانے والے کی کیفیت:

ابھی اس واقعہ کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ میں نے اسی ملعون کو نہایت بدصورت اور بد ہیئت نارکول کی طرح سیاہ دیکھ کر پوچھا کہ اے ملعون اس دن جب کہ تو اپنے گھوڑے کی گردن میں سر مبارک کو لٹکائے ہوئے تھا، تو اتنا حسین اور خوب صورت تھا کہ عرب میں تیری نظیر دشوار تھی۔

اب آخر تجھ کو کیا ہو گیا ہے تو اتنا سیاہ ہے کہ پہچان نہیں پڑتا کون سی چیز ہے جس نے تجھے اتنا سیاہ کر ڈالا ہے یہ سن کر وہ ملعون بے ساختہ چیخ مار کر رو یا اور کہنے لگا کہ ہائے میں اپنا واقعہ کس زبان سے دہراؤں اس واقعہ کے بعد سے کوئی رات چین آرام سے نہیں گذرتی جب میں سو جاتا ہوں تو دو آدمی آتے ہیں اور مجھے دھکتے ہوئے جہنم کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں اور میں رات بھر چلایا کرتا ہوں اور صبح کی پو پھٹتے

چھنٹے رہا کر دیتے ہیں یہی سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جو اس سیاہی کا سبب اعظم ہے راوی کہتا ہے کہ مات علی اقبح حال وہ ملعون بری طرح واصل جہنم ہو گیا۔ [1]

واضح ہو:

کہ یہی وہ حرملہ ہے جو تیر اندازی میں اپنی آپ نظیر تھا، یہی حرملہ ہے جس نے علی اصغر علیہ السلام کا خون بہا کر حسینؑ کی آنکھوں سے چلووں خون بہا دیا، یہی حرملہ ہے جس نے جناب ربابؑ کی بھری گود خالی کر دی، یہی حرملہ ہے جس نے خیمۂ عصمت میں کہرام برپا کر دیا، یہی حرملہ ہے جس نے سر انور حضرت عباس علیہ السلام جس میں نشان سجدہ تھا گھوڑے کی گردن میں باندھا یہی وہ حرملہ ہے کہ جس کے متعلق معصوم نے ان لفظوں میں۔ **اللھم اذقه حر الحدید** ۔ تین مرتبہ بد دعا کی ہے کیا عجب ہے کہ انہیں اسباب کی وجہ سے وہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں جہنم کا ایندھن بنا ہو (لعنۃ اللہ علیہ ولعنۃ اللاعنین ۔

حضرت عباسؑ کے بھانجے کی شہادت ۔ بنی ہاشم کا پہلا شہید

فاضل بلگرامی رقم طراز ہیں کہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شخص جو معرکہ کارزار کربلا میں آیا وہ حضرت عبداللہ بن مسلم تھے ۔ امام ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں کہ ان کی والدۂ مقدسہ کا نام رقیہ بنت امیر المومنینؑ تھا ۔ یہ معظمہ حضرت ام البنین کے بطن سے تھیں اور حضرت عباس علیہ السلام کی حقیقی بہن تھیں، ان کی شہادت کی تفصیل میں لکھا ہے کہ یہ مبارزت کے قصد سے جناب امام حسینؑ کی خدمت میں تشریف لائے اور جازت کے خواستگار ہوئے آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے باپ کی شہادت کو کتنا عرصہ گذرا ہے ان کا ماتم ابھی میرے دل سے بھولا بھی نہیں ہے بہتر ہے کہ تم لوٹ جاؤ اور اپنی

---

[1] انوار الشہادت صفحہ ۹۲ تا ۹۳ طبع لاہور ۱۲۸۷ھ، ابصار العین صفحہ ۳۲ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ، تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۲۴۳ طبع ایران ۱۳۰۲ھ، اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۲ طبع ایران

ماں کا ہاتھ تھامو کہ اس ستم رسیدہ کا کوئی سہارا نہیں ہے مناسب ہے کہ اپنی غم دیدہ ماں کو ہمراہ لے کر بہت جلد اس پر آشوب مقام سے کہیں اور نکل جاؤ عبداللہ نے جواب دیا کہ ہماری جان آپ پر فدا ہو ہم دل سے ایسے کمزور نہیں ہیں کہ اس دار فانی کی زندگانی کو حیات جاودانی پر ترجیح دیں ہم کو کامل امید ہے کہ آپ ہماری ناچیز جان کو ہدیۃً قبول فرمادیں گے جناب امام حسین علیہ السلام نے آب دیدہ ہو کر سر جھکالیا اور وہ شیر بیشہ جماعت فوج مخالف کی طرف یہ رجز پڑھتا ہوا روانہ ہوا۔

الیوم .. مسلما وہ ابی
و فتیۃ بادوا علی دین النبی

آج میں اپنے باپ مسلم اور ان جوانوں سے (ضرور) جا ملوں گا جنہوں نے اپنی جانوں کو دین محمدی پر بھینٹ چڑھا دیا۔

لیسو بقوم عرفو بالکذب
لکن خیار و کرام النسب
من ھاشم السادات الحسب

وہ سادات بنی ہاشم کے عمدہ اور کریم النسب شریف الحسب بہادر ہیں جو جھوٹ تک نہیں جانتے تھے ورنہ کسی حیثیت سے ان کی طرف منسوب ہو سکتا تھا۔

یہ رجز پڑھ کر حضرت عبداللہ بن مسلم نے فوج مخالف پر حملہ کیا اور ان کی گھنی صفوں میں سخت انتشار پیدا کیا۔ آخر کار عمر بن صبیح السیدادی اور اسد بن مالک نے اپنی متفقہ قوت سے ان کو شہید کیا، کہا جاتا ہے کہ عبداللہ نے عین مصروفیت حرب و ضرب سے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اتفاقاً ایک تیر انداز کا نشانہ ایسا کامل بیٹھا کہ اس تیر کے ذریعہ سے ان کا ہاتھ ان کی پیشانی سے وصل ہو گیا اور یہی سبب اول ان کے مجروح ہونے کا ہے اور آخر میں

ان کی شہادت کا باعث ہوا، زیارت ناحیہ مقدسہ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ [1]

کیا حضرت عباسؑ آخری شہید آل ابی طالبؑ ہیں

ارباب تواریخ اس پر متفق ہیں کہ حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور سب کے بعد مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے لیکن اس امر میں سخت اختلاف ہے کہ عاشورہ کی گرم بازاری میں حضرت عباسؑ نے سب کے بعد سرفروشی یا جناب علی اکبرؑ نے جان دی ہیں اس کی تحقیق سے بحث اس لیے پہلو تہی کرتا ہوں کہ دامن تحریر طویل ہو جائے گا۔ صرف علامہ سماوی کے قول کو لکھے دیتا ہوں وہ لکھتے ہیں:

وکان العباس آخر من قتل من لمحاربین لا عداء الحسین ولم یقتل بعده الا الصغار من ال ابی طالب الذین لم یحملو السلاح. [2]

دشمنان امام حسینؑ سے لڑنے والوں میں سب سے آخر میں حضرت عباسؑ شہید ہوئے ہیں (یعنی ان کے آل ابی طالبؑ میں سے ان چھوٹے بچوں کے علاوہ جو سلاح جنگ نہ اٹھا سکتے تھے کوئی شہید نہیں ہوا) [3]

حضرت عباسؑ کی شہادت پر جناب ام البنین کا اضطراب

جب کربلا کا سنگین واقعہ عالم وقوع میں آچکا اور اس کی خبر جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباس علمبردار کو پہنچی تو آپ نے اسی دن سے بقیع میں آکر فلک شگاف

---

[1] ذبح عظیم صفحہ ۲۰۴ طبع جدید

[2] ابصار العین علامہ سماوی صفحہ ۳۰ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ

[3] کتاب ہذا کے صفحہ ۱۰۲ کے سطر ۶ میں جو عبارت لکھی جا چکی ہے وہ صرف اسی قول پر محمول کی جائے

نالے شروع کر دیے۔ آپ کی آواز میں وہ درد تھا کہ در و دیوار گریہ کن نظر آنے لگتے تھے، کیا دوست، کیا دشمن سب رو پڑتے تھے، سب کو جانے دیجیے مروان شقی علیہ اللعن جو شقاوت دلی اور قساوت قلبی میں اپنی آپ نظیر تھا، وہ بھی آپ کے درد بھرے کلمات، دردآگین لہجہ سن کر رو پڑتا تھا۔

قد کانت تخرج الی البقیع کل یوم ترثیہ و تحمل ولدہ عبید اللہ فیجتمع لسماع رثائہا اھل المدینۃ و فیھم مروان بن الحکم فیبکون لشجی النائبۃ الخ. [1]

جناب ام البنین حضرت عباسؑ کے بیٹے عبید اللہ کو لے کر روزانہ بقیع میں جا کر مرثیہ کی حیثیت سے اس بیتابی سے نوحہ کرتی تھیں کہ تمام اہل مدینہ اس کے سننے کے لیے جمع ہو کر بے پناہ گریہ کرتے تھے، یہاں تک کہ مروان بن حکم بھی درد بھرے نوحے کو سن کر رو دیتا تھا۔

سچ ہے ماں کا دل نہایت ہی نرم اور نازک ہوا کرتا ہے، جناب ام البنین جس قدر بھی گریہ کم تھا، ایک تو امام حسینؑ کی مصیبت دوسرے اپنے چار بیٹوں کی بے دردانہ شہادت، وہ بیٹے بھی ایسے کہ جن کی نظیر ناممکن کوئی وفا کا بادشاہ کوئی شجاعت میں بے نظیر، کوئی بہادری میں بے مثل، کوئی فرماں برداری میں لاجواب یہ وہ اسباب تھے جو جناب ام البنین کو خون کے آنسو مدتوں رلاتے رہے۔

---

[1] ابصار العین صفحہ ۳ طبع نجف اشرف، تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۸، اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۳، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۱ طبع بمبئی، جلاء العیون صفحہ ۲۰۸ مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰، مجالس المتقین صفحہ ۲۷ طبع ایران، مقتل عوالم صفحہ ۹۴ طبع ایران۔

حضرت عباسؑ کے متعلق جناب ام البنین کا مرثیہ

حضرت عباسؑ کی ماں جناب ام البنین نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جس کو ابوالحسن اخفش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے بطور مرثیہ پڑھے۔

یا من ریسه العباس کر
علی حما هیر النقد

اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباسؑ کو منتخب اور چیدہ ٹڈی دل فوجی جماعتوں پر حملہ آور دیکھا ہے

وورا ه من ابناء حیدر
کل لیث ذی لبد

اور ان کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹو کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت تھے

انبئت ان ابنی اصیب
براسه مقطوع ید

(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دیگئی ہے کہ میری رگ جاں سے زیادہ عزیز فرزند عباسؑ کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے (ہائے کیا یہ سچ ہے)

ویلی علی شبلی اما
براسه ضرب العمل

آہ آہ! میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔

لو کان سیفك فی ید

یك لما دنا منه احد

اے میرے بہادر بیٹے (خدا کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے نزدیک کوئی پھٹک نہیں سکتا تھا۔ [1]

مرثیہ ثانیہ

لا تدعونی ویك ام البنین

تذکر ینی بلیوث العرین

ہائے اے سرزمین مدینہ کی رہنے والیو (خدا کے لیے) مجھے ام البنین کہ کر نہ پکارو اس لیے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجواں بیٹے) یاد آجاتے ہیں۔

کانت بنون لی ادعی بھم

والیوم اصبحت ولا من بنین

ارے جب میرے بیٹے تھے تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی مگر افسوس کہ آج میرے کوئی فرزند نہیں ہے۔

اربعه مثل نسور الربی

قد واصلوا الموت بقطع الوتین

(دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے جو (جماعت امام حسینؑ) میں رگ گردن کٹا کر آغوش موت سے ہم کنار ہو گئے۔

تنازع الخر صان اسلاء ھم

فکلھم امسی صریعا طعین

---

[1] ابصار العین فی انصار العین صفحہ ۳۱ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵ طبع ایران ۱۳۵۳ھ

ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہوگئی کہ بھوک سے ان کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔

یا لیت شعری اکما اخبروا
بان عباسا قطع الیمین

اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا'' کیا'' سچ مچ (ہمارے بیٹے) عباسؑ کے ہاتھ شدت ظلم سے کاٹے گئے ہیں۔ [1]

حضرت عباسؑ کے متعلق ان کے پوتے کا مرثیہ

فضل بن محمد بن فضل بن حسن بن عبید اللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے حضرت عباسؑ کا مرثیہ ان کے بعض فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے حسب ذیل اشعار میں کہا ہے۔

انی لا ذکر للعباس موقفہ
بکربلاء وھام القوم تختطف

آج میں اپنے دادا عباسؑ کے کربلا والے اس وقت کے کارنامے کو یاد دلاتا ہوں جب کہ لوگوں کی کھوپڑیاں اڑ رہی تھیں

یحمی الحسین و یحمیہ علی ظماء
ولا یولی ولا یثنی فیتختلف

وہ اس دن فرزند رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام کی بلا سستی اور تردد کے عالم عطش میں بے نظیر جاں بازی سے مدد کر رہے تھے۔

ولا اری مشھدا یوما لمشھدہ

---

[1] ابصار العین صفحہ ۳۲، ومفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰۔

مع الحسین علیہ الفضل واشرف

امام حسینؑ کے ساتھ رزمگاہ کربلا میں جس طرح یہ شہید ہوئے ہیں میں نے کسی اور کسی کو شہید ہوتے نہیں دیکھا (دراصل) ان کے لیے یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

اکرم به مشهد اهانت فضیلته
وما اضاع له افعاله خلف

شہادت کی یہ وہ بہترین منزل ہے جو اپنے دامن میں فضیلتوں کی ایک زبردست دنیا بسائے ہوئے ہے اور ان کے کارناموں کو ان کے بعد والوں نے ضائع نہیں کیا یعنی چونکہ وہ میرے دادا تھے لہٰذا ان کا تذکرہ میرے نزدیک فریضہ سے کم نہیں ہے۔ [1]

جناب ام البنین کربلا کیوں نہ آئیں

دراصل یہ ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ امام حسینؑ کے ہمراہ تمام بیبیاں اپنا وطن مالوف مدینہ منورہ ترک کرکے کربلا چلی آئیں اور ان پر جس قدر بھی مصائب کا نزول ہوا سب کو برداشت کیا حتیٰ کہ غیرت دار بیبیوں کی چادریں تک چھینی گئیں زیورات اتار لیے گئے، ہاتھوں کو پس گردن سے باندھ کر بے مقنع و چادر برہنہ پشت اونٹوں پر سوار کرکے شہر بشہر کوچہ بکوچہ پھرایا گیا۔ اس کے علاوہ اپنے چاروں فرزندوں اور بہو بچے سب کو بھیج دیا مگر خود ان آوارہ وطنوں کے ساتھ کربلا کیوں نہ آئیں۔ اور مصائب جھیلنے میں کیوں نہ شریک رہیں اس کا جو کچھ جواب دیا گیا ہے اس کا خلاصہ چند سطروں میں یہ ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ با اصرار کوفیاں مکہ ہوتے ہوئے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں جناب فاطمہ صغریٰ سخت علیل تھیں اور ان کے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

لہٰذا ام البنین ان کی پرورش و پرداخت (تیمارداری) کے لیے مدینہ منورہ رہ

---

[1] ابصار العین صفحہ ۱۳ طبع نجف اشرف

گئیں ورنہ ناممکن تھا کہ جناب ام البنین حضرت امام حسینؑ اور جناب زینب کا ساتھ چھوڑ دیتیں۔ [1]

عرصۂ محشر میں حضرت عباسؑ کے ہاتھوں کا مظاہرہ

علامہ دربندی لکھتے ہیں:۔

اذا صار یوم القیامة واشتد الامر علیٰ اهل المحشر بعث رسول الله ﷺ امیر المومنین علیه السلام الی فاطمه علیها السلام لتحضر مقام الشفاعة فیقول امیر المومنین یا فاطمة ما عندك من اسباب الشفاعة وما ادخری لاجل هذا الیوم الذی فیه الفزع الا کبر فیقول فاطمة یا امیر المومنین کفانا لاجل هذا المقام الیدان المقطوعیان من ابنی العباس علیه السلام الخ.

ہنگام حشر جب اہل محشر پر سختی ہوگی تو رسول اللہ امیر المومنینؑ کو جناب سیدہ علیہا السلام کے پاس بھیج کر بلائیں گے اس وقت حضرت امیر المومنینؑ فرمائیں گے، کہ اے فاطمہؑ تمہارے پاس اسباب شفاعت میں سے کیا ہے اور تم نے ایسے ہولناک دن کے لیے جمع کر رکھا ہے، اس وقت جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا فرمائیں گی، کہ اے امیر المومنینؑ آج کے دن کے لیے ہمارے پاس میرے بیٹے عباسؑ کے دو کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں۔

گو کہ یہ وہ واقعہ ہے جو میری نظر سے کسی کتاب میں نہیں گزرا لیکن یہ بات محال نہیں ہے بلکہ ممکن الوقوع ضرور ہے۔ [2]

---

[1] سند۔۔۔۔۔ صفحہ ۲۰۷ طبع حیدرآباد ۱۳۰۷ھ

[2] اسرار الشہادت صفحہ ۳۶۵ طبع ایران

عبید اللہ بن عباس کو دیکھ کر امام زین العابدین کا دعا دینا

علامہ مجلسی اور شیخ صدوقؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے عبید اللہ ابن عباسؓ کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یوم الاحد جس میں اسد اللہ حضرت حمزہ علیہ السلام اور جنگ موتہ جس میں جعفر طیار علیہ السلام شہید ہوئے اس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی دن نہیں گزرا یعنی جس دن جناب حمزہ علیہ السلام نے شہادت پائی وہ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہایت سخت اور دشوار تھا اور جس دن حضرت جعفر طیار علیہ السلام نے شہادت پائی وہ بھی جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہایت ہی اہم تھا۔ اس کے بعد بلبل بوستان امامت نے اپنے گذشتہ غموں کو یاد کرتے ہوئے ان لفظوں میں درد دل کی ترجمانی شروع فرمائی۔

ولا یوم کیوم الحسینؑ اذدلف الیه ثلثون الف رجل یزعمون انهم من هذه الامة. الخ

(خدا کی قسم) وہ دن حسینؑ پر بڑا سخت تھا، جس دن ان پر تیس ہزار آدمی پھٹ پڑے تھے ان کو یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہ سب ای امت کے ہیں۔

اور حسینؑ ہی کے خون بہانے کے ذریعہ سے قربت خدا حاصل کرنے کا خیال رکھتے تھے، آہ آہ ہمارے امام مظلوم برابر خدا کو یاد دلاتے رہ گئے۔

آخر کار ان کو مع اعزا و اقربا شہید کر ڈالا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدا عباسؑ بن علیؑ پر رحم کرے، کہ انہوں نے اپنی جان شریں اپنے بھائی پر اس بے جگر سے نثار کر دیا کہ جس کی نظیر سے صفحات تواریخ عاجز ہیں۔

اپنے بھائی کی مدد اور وفاداری میں اس طریقہ سے جنگ آزمائی کی کہ ان کے دنوں ہاتھ بدن سے جدا کر دیے گئے اور ان کو خون میں نہلایا گیا۔ یہی سبب ہے کہ

خداوند عالم نے ان کو جنت کی تفریح کے لیے دو پر اسی طرح عنایت کیے جیسے جناب جعفر طیار کو عطا ہوئے تھے، یہ لوگ جنت میں تمام ملائکہ مقربین کے ساتھ اڑتے ہیں اور عباسؑ کے لیے خداوند عالم کے نزدیک وہ جلیل منزلت ہے کہ جس پر تمام شہداء غبطہ کرتے ہوئے اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش وہ منزلت ہمیں حاصل ہو جاتی۔

(نوٹ) اس کا ذکر گزر چکا ہے۔[1]

در حقیقت حضرت عباس علیہ السلام کی فضیلت معمولی نظر سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہے، امام حسینؑ کا آپ ہی پر زبردست اعتماد کرنا اپنے لشکر کا علم بردار بتانا، ان کی شہادت سے امام حسینؑ کا بار بار فرمانا۔ **الان انکسر ظهری**۔ اور ان کی شہادت سے اپنی شہادت کا فور خیال کر لینا۔ امام زین العابدینؑ کا آپ کا دعا دینا، خدا کے نزدیک آپ کی منزلت کا بالاتر ہونا یہ وہ اسباب و خصوصیات ہیں، جنہوں نے حضرت عباسؑ کو تمام شہدا پر افضل و اعلیٰ قرار دے دیا ورنہ کربلا کا ہر مجاہد اپنی آپ نظیر تھا۔

حضرت عباسؑ کی زیارت کے متعلق ایک واقعہ

علامہ دربندی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مومن روزانہ جناب سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی تین مرتبہ زیارت کیا کرتا تھا اور افضل الشہداء حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی زیارت میں دن کے بعد کرتا تھا ایکدن وہ سو رہا تھا، کہ ناگاہ جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا عالم خواب میں نظر پڑیں اس نے فوراً با ادب ہو کر سلام کیا **فاعرضت عنه** آپ نے جواب نہ دیا تو اس نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں **لای تقصیر منی تعرضنی**۔ آخر غلام سے کیا خطا واقع ہوئی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ

---

[1] ابصار العین صفحہ ۳۶، اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۳ تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۷۷ او ۲۶۲ جلد ۱، العیون صفحہ ۴ مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰ طبع ایران ۱۳۵۲ھ

میرے فرزند کی زیارت سے غافل ہے اس نے عرض کی اے سیدۂ عالیا! میں تو آپ کے فرزند حضرت امام حسینؑ کی روزانہ زیارت کیا کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ **تزور ابنی الحسینؑ ولا تزور ابنی العباسؑ** تو ہمارے ایک فرزند امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرتا ہے اور ایک فرزند عباس کی زیارت سے غفلت کرتا ہے۔ [1]

جس کی شہادت پر حسینؑ رو پڑے وہی مستحق گریہ وبکا ہے

رزم گاہ کربلا میں حضرت عباسؑ نے جو کارنمایاں کیا ہے وہ ارباب عرفاں کے صفحات قلوب پر نہایت ہی جلی حرفوں سے لکھا ہوا ہے جو قیامت تک مٹائے سے مٹ نہیں سکتا، اس کے علاوہ صفحات تواریخ بھی اس واقعہ ہائلہ کے کارنامہ کو اپنے دل میں جگہ دیے ہوئے قیامت کے دن تک آفتاب روز روشن کی طرح ضوافگن رہیں گے۔

اگر علم بردار فوج کی شہادت پر سرسری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی شہادت سے جگر اسلام میں کتنے داغ لگے ان کی شہادت سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی کمر مبارک ٹوٹی پھر شہید کیے گئے۔

خیام اہل بیت میں آگ لگائی۔ ہمارے بیمار امام کے جسم لاغر کو زمین پر گرایا گیا اور زنجیروں میں جکڑ کر کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا حسینؑ کی چہیتی بیٹی جناب سکینہ کے گوشوارے چھینے گئے اور طمانچے لگائے گئے علی اصغر تیر سہ پہلو کا نشانہ بنے اور جناب رباب کا دل کباب ہوا، تمام بچے آواز العطش ہی بلند کرتے رہ گئے، غیرت دار بیبیوں کے سروں سے چادریں چھینی گئیں، سر برہنہ اور اونٹوں پر سوار کر کے بازاروں میں پھرائی گئیں حسینؑ کا سر مبارک طشت طلا میں رکھا گیا۔ حسینؑ کے "ان لب و دنداں جس کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسے دیا کرتے تھے)۔ کے ساتھ چھڑی سے بے ادبی کی گئی۔ اہل

---

[1] اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۵ طبع ایران

حرم ایسے قید خانے میں بند کیے گئے۔ جس میں شب بھر شبنم برستی اور دن بھر دھوپ، اذیت رسانی کرتی تھی وغیرہ وغیرہ آہ آہ ہم کو یقین کامل ہے، کہ اگر یہ مصیبتیں پہاڑوں پر پڑتیں تو ہو پگھل جاتے اگر دن پر پڑتیں تو وہ مثل شب تاریک ہو جاتے، یہ وہ اسباب تھے کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت پر فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ نے بے پناہ گریہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ جس نے مجھ ایسے صابر کو آٹھ آٹھ آنسو رلا دیا، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس پر فلک شگاف نالے اور یعقوبی گریہ کیے جائیں، چناں چہ آپ نہایت درد آگیں لہجہ میں فرماتے ہیں۔

احق الناس ان یبکی علیه
فتی ابکی الحسینؑ بکربلا.

maablib.org

مطبوعات معراج کمپنی

- معرفت امامؑ
- روایات عزا
- سیرت امیر المومنینؑ
- آداب اسلامی
- خطرات نفس
- دوستی
- مصائبِ معصومینؑ
- مجالس امام حسینؑ
- کامیابی راز
- انبیائے قرآن (3 جلد)
- حکومت مہدیؑ
- بازارِ اسلامی
- صدیقہ کائنات (سوانح حیات حضرت بی بی خدیجہؑ)
- سعادت الدارین
- مصائب آلِ محمدؐ
- ہمارے عقائد
- قرآن اور امامت
- انسان اور تقدیر
- اصل واصول شیعہ
- مکتب اہل بیتؑ
- خطباتِ امام حسینؑ
- زندگانی امام سجادؑ
- چہل حدیث
- امہات المعصومینؑ
- احکام دین
- امام مہدیؑ کی بشارتیں آسمانی کتابوں میں
- معراجِ خطابت
- نہج البلاغہ
- صحیفہ کاملہ (سجادیہ)
- آداب نماز
- جامع المصائب
- راہنمان اسلام
- مجالس ام رباب
- انقلاب امام حسینؑ
- درسِ زندگی
- سیرت عباس علمدار
- آداب معاشرت

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0423-736 12 14
0321-497 12 14
www.facebook.com/merajcompanypakistan

شاکست

محمد علی بک ایجنسی، اسلام آباد۔
Ph: 051-2557471